ہم سب ذمہ دار ہیں

دُعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟

مفاہمت، مگر کس سے؟

تکبر: ایک مہلک مرض

ایک ناکام سازش

ہمیں 1948ء کا پاکستان چاہیے

فلسطین کے وارث کون؟

دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

عالم اسلام

ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

5 تا 11 جون 2008ء، 30 جمادی الاولیٰ تا 6 جمادی الثانی 1429ھ

پہاڑ جیسی غلطی

ہمارا سیاسی نظام اصلاً مغربی جمہوریت پر مبنی ہے، اور ہم نے اپنے ہاں کے دینی عناصر اور دین پسند عوام کے دباؤ پر محض ان کی اشک شوئی کے لیے اس میں بعض اسلامی اجزاء کا اضافہ کر رکھا ہے۔ جمہوریت مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام اور مغرب کے لادین طرز حیات کی مظہر اور عکاس ہے۔ یوں جمہوریت محض ایک سیاسی نظام نہیں اور اسی طرح سرمایہ داری محض ایک معاشی سسٹم نہیں بلکہ یہ دونوں اس وحدت کے اجزاء ہیں جسے ہم مغربی تہذیب کہتے ہیں اور مغربی تہذیب نام ہے ایک ملحدانہ ورلڈ ویو اور ایک لادین طرز زندگی کا، جس کی بنیاد ہیومنزم، سیکولرازم، کیپٹل ازم، جیسے ملحدانہ نظریات پر ہے۔ یوں سمجھئے کہ مغربی تہذیب ایک دین ہے جو ساری انسانی زندگی کا احاطہ کرتا ہے، جو فرد اور اجتماع کے سارے اعمال کو کنٹرول کرتا ہے اور چونکہ یہ اس وقت غالب اور طاقتور ہے لہٰذا یہ ہر اس فکر، نظریے اور معاشرے کو کچل کر آگے بڑھ رہا ہے جو اس سے موافقت نہ کرے یا اس کی راہ میں مزاحم ہو۔ لہٰذا مغربی جمہوریت کو محض ایک سیاسی نظام سمجھنا پہاڑ جتنی بڑی غلطی ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ایک پورا ''دین'' ہے اور مکمل طرز زندگی ہے جس کی دست برد سے فرد اور اجتماع کا کوئی معاملہ بچا ہوا نہیں ہے یا یوں کہیے کہ یہ ایک اکٹوپس (ہشت پا) ہے جس کے شکنجے سے نکل کر آپ کہیں نہیں جا سکتے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

الھدیٰ (324)

سورۃ الانعام

(آیات:127-129)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ
وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ
اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾ ﴾

"اُن کے لیے اُن کے اعمال کے صلے میں پروردگار کے ہاں سلامتی کا گھر ہے اور وہی اُن کا دوستدار ہے۔ اور جس دن وہ سب (جن وانس) کو جمع کرے گا، (اور فرمائے گا کہ) اے گروہ جنات! تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کیے۔ تو جو انسانوں میں اُن کے دوستدار ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار ہم ایک دوسرے سے فائدے اُٹھاتے رہے۔ اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا۔ اللہ فرمائے گا (اب) تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے۔ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہو گے مگر جو اللہ چاہے۔ بے شک تمہارا پروردگار دانا اور خبردار ہے۔ اور اسی طرح ہم ظالموں کو اُن کے اعمال کے سبب جو وہ کرتے تھے، ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔"

وہ لوگ جو صراط مستقیم پر چل رہے ہیں، اُن کے لیے اُن کے پروردگار کے ہاں سلامتی والا گھر ہے۔ یہاں جو لفظ "دار السلام" آیا ہے، وہ جنت کے لیے ہے۔ جنت واقعی سلامتی کا گھر ہے کہ وہاں مشقت اور دکھ تکلیف اور پریشانی نام کی کوئی چیز نہ ہوگی، بلکہ ہر طرح کی سہولت، آسانی اور سلامتی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سیدھے راستے پر چلنے والے ایسے لوگوں کا دوست، حمایتی اور پشت پناہ ہے، بسبب اُن کے عمل کے جو وہ کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی قربانیوں، جانفشانیوں اور ایثار سے اللہ کی رضامندی حاصل کر لی اور وہ پروردگار کی دوستی کے مستحق ہو گئے ہیں۔

جس دن اللہ تعالیٰ سب کو جمع کرے گا اور فرمائے گا اے جنوں کی جماعت! تم نے تو انسانوں میں سے بہتوں کو ہتھیا لیا۔ عزازیل نے اللہ سے کہا تھا کہ تو اُن کی اکثریت کو شکر گزار نہ پائے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنوں کو شاباش دی جارہی ہے کہ تم نے انسانوں کی اکثریت پر اثر جما لیا۔ اور اُن کے جو ساتھی انسانوں میں سے تھے اُن کی غیرت یہ سن کر جاگے گی کہ اللہ نے جنوں کو یہ کیا کہہ دیا کہ انہوں نے ہم انسانوں کو شکار کر لیا۔ اس پر وہ کہیں گے، اے ہمارے پروردگار، ہم میں سے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا۔ ہم ان سے اور وہ ہم سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ ہم نے ان کو موکل بنایا، ان کے ذریعے غیب کی خبریں اور کہانت کی دکانیں چمکائیں، اور اب ہم اپنی مدت کو پہنچ چکے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کر رکھی تھی۔ اس پر اللہ فرمائے گا، اب تمہارا ٹھکانہ آگ ہے، اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہو گے سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ یقیناً تمہارا پروردگار حکیم اور علیم ہے۔

اور اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض ظالموں کا ساتھی بنا دیتے ہیں، اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے۔ برے بروں کے دوست بنتے ہیں۔ اچھے اچھوں کے ساتھی بنتے ہیں۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ۔۔۔ کبوتر با کبوتر باز با باز

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

خیانت کا وبال

عَنْ عَدِيِّ بْنِ عُمَيْرَةَ ؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُوْلًا يَأْتِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ اَسْوَدُ مِنَ الْاَنْصَارِ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اقْبَلْ عَنِّيْ عَمَلَكَ قَالَ: ((وَمَا لَكَ؟)) قَالَ: سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا قَالَ: ((وَاَنَا اَقُوْلُهُ الْاٰنَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَلْيَجِئْ بِقَلِيْلِهٖ وَكَثِيْرِهٖ فَمَا اُوْتِيَ مِنْهُ اَخَذَ وَمَا نُهِيَ عَنْهُ انْتَهٰى)) (رواہ مسلم)

حضرت عدی بن عمیرہ ؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ "تم میں سے ہم اگر کسی کام کے لیے عامل بنائیں اور وہ سوئی برابر یا اس سے زائد کوئی چیز چھپا لے تو یہ حرکت خیانت ہوگی جو وہ قیامت کے دن لے کر آئے گا"۔ ایک سیاہ رنگ انصاری اٹھ کھڑے ہوئے گویا یہ منظر میرے سامنے ہے اور کہنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! یہ خدمت مجھ سے واپس لے لیجیے! آپؐ نے پوچھا: "کیوں، کیا بات ہوئی؟" وہ کہنے لگا، میں نے سنا ہے کہ آپؐ ایسا ایسا فرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "وہ تو میں اب بھی کہتا ہوں، کہ ہم کسی کو کسی کام پر اگر عامل بنائیں، تو اسے تھوڑی بہت چیز (چھوٹی بڑی) جو کچھ ملے وہ جوں کی توں لا حاضر کرنی چاہیے۔ اس میں سے جو اسے دیا جائے وہ لے لے، اور جس سے منع کیا جائے اس سے باز رہے۔"

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم سب ذمہ دار ہیں!

یوں تو کارگل کے محاذ سے ذلت آمیز پسپائی اور کمانڈر انچیف پرویز مشرف کے جہاز کے اغوا کی کہانی شروع سے ہی مشکوک اور پُر اسرار تھی لیکن صدر مشرف کے ایک قریبی ساتھی اور سابق کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل (ر) جمشید گلزار کیانی نے ایک نجی ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے سرِ بازار بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔ اُنہوں نے اس وقت کے وزیراعظم اور مسلم لیگ (ن) کے سربراہ میاں نواز شریف کے موقف کی مکمل تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ کارگل کے جنگ کی بریفنگ صرف فوجی سربراہ کو دی گئی تھی۔ Prime Minister Mian Nawaz Sharif was not taken on board علاوہ ازیں اُنہوں نے مشرف کے جہاز کے اغوا کے ایک حصے کو بھی کہانی قرار دیا ہے۔ کارگل سے لے کر 12 اکتوبر 1999ء کے کُو (Coup) تک تمام حالات و واقعات کے صغریٰ اور کبریٰ کو جوڑا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جنرل (ر) مشرف نے حصولِ اقتدار کے لیے کتنا ظلم کمایا، کتنا خون سر لیا، کتنے انسانوں کی زندگیاں اُس کی ہوسِ اقتدار کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ پھر اس اقتدار کو قائم رکھنے اور دائم کرنے کے لیے ہر نوع کا ظلم روا رکھا۔ جامعہ حفصہ میں قرآن پڑھتی سینکڑوں بچیوں کو بقول جنرل (ر) جمشید کیانی فاسفورس گرنیڈ سے جلا کر بھسم کر دیا۔ قبائلی علاقوں میں شہریوں پر خود بھی بم برسائے اور امریکہ کو بھی کھلی چھوٹ دے دی کہ جب چاہو جس مدرسے پر چاہو میزائل مار کر بے گناہ زندہ انسانوں کو پل بھر میں راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دو۔ چادر اور چار دیواری کی بے حرمتی کر کے اپنے شہریوں کو اُٹھالو اور غائب کر دو۔ کئی سال گزر گئے، ہزاروں سہاگنیں اپنے سر کا تاج ڈھونڈ رہی ہیں، کتنی بوڑھی آنکھیں اپنے جگر گوشوں کی تلاش کرتی کرتی بے نور ہو گئیں ہیں، کتنی بہنیں اپنے بھائیوں کے سر سہرا باندھنے کی حسرت لیے غم واندوہ کی کہانی بن چکی ہیں۔ جس افتخار چوہدری نے ان مظلوموں کی دادرسی کرنی چاہی، اُسے صدر مشرف نے بے یارو مددگار سمجھ کر بڑی رعونت کے ساتھ سپریم کورٹ سے اُٹھا کر باہر سڑک پر پھینک دیا تھا لیکن سڑک پر کھڑا افتخار چوہدری عدالت عظمیٰ کے کرسی نشین افتخار چوہدری سے زیادہ خطرناک ثابت ہو رہا ہے۔ آج وکلاء ہی نہیں عام آدمی بھی چوہدری افتخار کی اداؤں پر قربان ہو رہا ہے۔ گلی گلی یہ نعرہ گونج رہا ہے "چیف تیرے جانثار بے شمار بے شمار"

اگرچہ جنرل (ر) جمشید نے یہ بات واضح الفاظ میں کہی نہیں لیکن اُن کے دو گھنٹے کے انٹرویو سے یہ بات بڑی آسانی سے اخذ کی جاسکتی ہے کہ کمانڈر انچیف بنتے ہی جنرل مشرف کی نیت میں فتور آ گیا تھا۔ منصوبہ کچھ یوں تھا کہ کشمیر کے محاذ پر کوئی بڑی کارروائی کی جائے جس سے سول حکومت کو حتی الامکان بے خبر رکھا جائے۔ اگر کامیابی حاصل ہو گئی تو جنرل مشرف قوم کے ہیرو کی حیثیت سے اُبھریں اور بعد ازاں کسی عذر کی بنا پر اگر وہ اقتدار پر قبضہ کریں گے تو عوام اُن کو ہیرو کی حیثیت سے قبول کر لیں گے اور اگر ناکامی ہوئی تو اس کا الزام نواز شریف کے سر تھوپ کر بڑی آسانی سے اقتدار پر قبضہ کیا جاسکے گا جیسا کہ اُنہوں نے کیا۔ اقتدار حاصل کرنے کے بعد بھی اِس شخص نے ہیرو بننے کی کوشش کی۔ آگرہ مذاکرات کی ناکامی اُس کا ثبوت ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عوامی سطح پر اس وقت بڑی واہ واہ ہوئی تھی، لیکن نائن الیون کے بعد ثابت ہوا کہ سب کچھ اقتدار کی خاطر کیا گیا۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ پاکستان کے مقدر میں ایسے ہی حکمران کیوں ہیں۔ قائداعظم کے بعد ہم پر بد سے بدتر اور بدترین قیادت ہی کیوں مسلط ہوتی چلی گئی۔ آئیے سوچیے، کہیں ہم خود اِس کے ذمہ دار تو نہیں، کیا ہم اپنی ذمہ داری دیانت داری اور جذبہ حب الوطنی کے تحت ادا کر رہے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے کہ تاجر ٹیکسوں کے خلاف ہڑتال کرتے ہیں اور مرنے مارنے پر اُتر آتے ہیں۔ سیاست دان جمہوریت کی بحالی پر جیل جانا گوارا کرتے ہیں۔ وکلاء اپنے چیف جسٹس کی خاطر پاکستان کو میدانِ کارزار بنا لیتے ہیں۔ لیکن قوم کبھی متحد ہو کر نظریہ پاکستان کے عملی نفاذ کے لیے سروں پر کفن باندھ کر نہیں نکلی۔ یقیناً قوم نے یہ ذمہ داری نہیں (باقی صفحہ 4 پر)

"تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور
ندائے خلافت

جلد 17 — 5 تا 11 جون 2008ء — 30 جمادی الاولیٰ تا 6 جمادی الثانی 1429ھ — شمارہ 23

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

ساقی نامہ (تیسرا بند)

[بالِ جبریل]

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا ۔۔۔ وہی جام گردش میں لا ساقیا
مجھے عشق کے پَر لگا کر اُڑا ۔۔۔ مری خاک جگنو بنا کر اُڑا
خرد کو غلامی سے آزاد کر! ۔۔۔ جوانوں کو پیروں کا استاد کر!
ہری شاخِ ملّت ترے نم سے ہے ۔۔۔ نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے! ۔۔۔ دلِ مرتضیٰؓ سوزِ صدیقؓ دے
جگر سے وہی تیر پھر پار کر! ۔۔۔ تمنّا کو سینوں میں بیدار کر!
ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر! ۔۔۔ زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر!
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے ۔۔۔ مرا عشق، میری نظر بخش دے

(جاری ہے)

اِس بند کے اشعار میں ایک بار پھر منظر تبدیل ہوتا ہے اور اقبال دُعائیہ انداز میں اللہ تعالیٰ سے مکالمہ کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اس نظم میں ساقی سے مراد رب العزت ہے۔

1۔ لغوی اور معنوی سطح پر اِس شعر کا مفہوم فقط یہ ہے کہ اے ساقی! مجھے پھر وہی پُرانی شراب سے سرشار کر اور اسی جام کا دور چلا جو انتہائی سرور بخش تھا، لیکن ذرا توجہ سے غور کیا جائے تو اِس شعر میں اقبال ربّ ذوالجلال سے درخواست کرتے ہیں کہ خداوندا! مجھے ایک بار پھر عشقِ رسول ﷺ کی دولت سے نواز دے کہ یہی عہدِ قدیم سے روزِ حشر تک میرا سرمایۂ حیات اور جزوِ ایمان ہے۔

2۔ عشق رسولِ مقبولؐ کی انتہائی معراج میرے قلب و رُوح کا سرمایہ ہو اور میری خاک کا ہر ذرّہ جگنو کی طرح پرواز کرے، جس سے ساری فضا منور ہو جائے۔

3۔ اے مولائے کائنات! ملت مسلمہ کے ذہنوں میں انقلاب برپا کر دے، تا کہ وہ اغیار کی غلامی سے آزاد ہو جائیں۔ اسی طرح جو ملت کے نوجوان ہیں، وہ بھی دینی، اخلاقی اور انسانی سطح پر اپنے اجداد سے بھی بازی لے جائیں۔

4۔ ملتِ اسلامیہ تیری عنایات ہی کے طفیل زندہ ہے، اور تیرے ہی لطف و کرم کے سبب تمام تر مشکلات کے باوجود اسے ترقی و فروغ حاصل ہو

5۔ اے مالکِ حقیقی! مجھے اتنی توفیق عطا فرما کہ اپنی منزل تک رسائی کے لیے عملی جدوجہد سے کام لے سکوں۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لیے لازم ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ جیسی جرأت، ہمت و حوصلہ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسا سوز و گداز حاصل ہو۔ یہی وہ عوامل ہیں جو کامیابی کے ضامن بن سکتے ہیں۔

6۔ خدایا! ملت کے قلب و رُوح کو پھر سے عشقِ رسول ﷺ سے ہمکنار کر اور منزل تک رسائی کے جذبے سے پھر اسے سرشار کر دے۔

7۔ اے ربّ العزت! تیرے آسمان اور ستارے ہمیشہ سلامت رہیں اور دنیا میں وہ لوگ جو راتوں کی نیندیں قربان کر کے تیری بارگاہ میں سجدہ بجا لاتے ہیں، وہ بھی زندہ سلامت رہیں۔

8۔ میں دست بدُعا ہوں کہ ملّت کے نوجوانوں کو سوز و گداز سے آشنا کر، اور جس طرح میں عشقِ حقیقی کا متمنی ہوں اور جیسے میری نظریں نورِ حقیقی سے منور ہیں، یہ صلاحیتیں نوجوانوں میں بھی پیدا کر دے۔

بقیہ: اداریہ

اُٹھائی اور اب خمیازہ بھگت رہی ہے۔ لیڈروں پر تنقید کرنے سے پہلے ہم اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ نہایت ذمہ دار اور صالح قوم پر کوئی ظالم و جابر حکمران مسلط ہو جائے۔ یقیناً خرابی ہم میں ہے۔ پھر یہ خرابی قیادت میں بدترین صورت میں آشکار ہوتی ہے۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے جیسا دودھ ویسی بلائی۔ حضورِ اکرمؐ کا قولِ مبارک ہے: اعمالکم عمالکم "تمہارے اعمال ہی تم پر داروغہ ہوں گے" ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہر شخص اپنی ذات کا جائزہ لے۔ ہر وہ شخص جو پاکستان اور نظریہ پاکستان سے محبت کرتا ہے وہ اپنی اصلاح کرے۔ اِسی سے صالح معاشرہ وجود میں آئے گا۔ پھر کسی مشرف کا حاکم بننا تو دور کی بات ہے ایسا کم ظرف انسان معاشرے میں اچھا مقام بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ اگر مشرف سے نجات حاصل کرنی ہے تو آیئے رجوع کریں اللہ کی طرف، اللہ کے رسول ﷺ کی طرف۔ یہی ہماری نجات کا واحد راستہ ہے۔ پاکستان میں نظریہ پاکستان کی عملی تنفیذ ہر پاکستانی مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ اگر ہم نے یہ ذمہ داری محسوس نہ کی اور اِس کی ادائیگی کے لیے عملی اقدام نہ کیے تو اِس مشرف کے بعد کوئی اور بڑا مشرف آ سکتا ہے جو پاکستان کی تباہی و بربادی کی تکمیل کر دے۔

ہماری دُعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟

مسجد دارالسلام باغ جناح، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید کے 16 مئی 2008ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات: آج عالم اسلام شدید اضطراب کا شکار ہے۔ اسلام دشمن قوتیں اسلام اور مسلمانوں پر یلغار کر رہی ہیں۔ اُن پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان اِس صورتحال سے نجات کے لیے شب و روز دُعائیں مانگ رہے ہیں، مگر یہ دُعائیں قبول نہیں ہو رہی ہیں۔ ان حالات میں ہر دردمند اور حساس مسلمان کے دل میں یہ سوال اُٹھتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے، ہماری دُعائیں قبول کیوں نہیں ہو رہی ہیں؟ آیئے، قرآن و سنت کی روشنی میں اس سوال کا جواب تلاش کریں۔ لیکن اِس سے پہلے یہ واضح کر دیا جائے کہ دُعا کی ضرورت و اہمیت کیا ہے۔ ہم دُعا کیوں کرتے ہیں؟ دراصل انسان کمزور ہے۔ اُسے ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔ بسا اوقات وہ جو سوچتا ہے، کر نہیں سکتا، کیونکہ اُس کے معاملات کی راہ میں دوسرے انسان اور طاقتیں حائل ہوتی ہیں۔ چنانچہ اُس کے پاس اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ اپنی پریشانی اور غم سے نجات اور مسئلہ کے حل کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارے جس کے ہاتھ میں پوری کائنات ہے، جو ہر بات پر قادر ہے۔ گویا دُعائے انسان کی بے بسی اور کمزوری کا مظہر ہے۔ قرآن حکیم میں واضح کر دیا گیا کہ اے لوگو تم سب اللہ تعالیٰ کے سامنے محتاج ہو، تمہاری حیثیت فقیر کی ہے، اور اللہ کی ہستی غنی اور حمید ہے۔ موجودہ دور میں اذہان پر مادہ پرستی کا غلبہ ہے۔ جس کے سبب آج کے انسان کو اپنے اوپر بڑا اعتماد ہے۔ مغربی دنیا میں سائنس اور عیسائیت کی کشمکش نے لوگوں کو مذہب سے برگشتہ کر دیا ہے۔ چنانچہ اِس دور میں یہ مادہ پرستانہ سوچ ابھری ہے کہ کسی برتر ہستی کو پکارنے کی ضرورت نہیں، انسان کو صرف اپنی ذات اور صلاحیتوں پر اعتماد ہونا چاہیے اور یہ کہ کسی برتر ہستی سے وہ لوگ مدد طلب کرتے ہیں جنہیں اپنے آپ پر اعتماد نہ ہو، جن کی ذہنی صحت نارمل نہ ہو۔ بہرحال یہ تو اِس دجالی دور کی گمراہی ہے، اصل بات یہ ہے کہ انسان کمزور اور ضعیف ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، جو مسبب الاسباب ہے، جو حاجت روا اور مشکل کشا ہے، جس کے قبضۂ قدرت میں ساری کائنات ہے۔ اللہ سے دُعا انسانی فطرت کی پکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں کسی نہ کسی شکل میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کو پکارا گیا ہے۔

دُعا کا بندگی کا ساتھ گہرا تعلق ہے۔ حدیث میں دُعا کو بندگی کا جوہر کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ہمارا خالق و مالک ہے، وہی ہمارا معبود ہے۔ اور ہم اُس کے بندے اور غلام ہیں۔ ہمارا مقصد زندگی اُس کی بندگی ہے۔ زندگی موت، عزت ذلت اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہمیں چاہیے کہ صرف اُسی کے سامنے دست سوال دراز کریں۔ اُس کے سوا کسی اور سے سوال نہ کریں۔ حدیث میں آپؐ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر کسی کا جوتی کا تسمہ گر جائے تو اُسے بھی اللہ ہی سے مانگے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک سے دُعا مانگنا، اُس سے مدد مانگنا عقیدہ توحید کا تقاضا ہے۔ اِسی لیے ہم اپنی ہر نماز میں بھی اللہ بندگی اور اُس سے استعانت کا عہد کرتے ہیں۔ ایاك نعبد وایاك نستعین، یعنی ''(اے اللہ) ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں (اور کریں گے) اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں (اور مانگیں گے)''۔ مشرکین جو اللہ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہراتے تھے، اُن کا معاملہ بھی یہ تھا کہ جب کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہوتے تو اپنے بتوں لات، منات، عزّیٰ اور ہبل کو چھوڑ کر صرف اللہ کو پکارتے تھے، بیچ دریا کے جب اُن کی کشتی پھنس جاتی تو وہ اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کرتے تھے کہ اے اللہ اگر تو اِس دفعہ ہمیں بچالے تو آئندہ ہم تیرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ جب انہیں بچا لیتا، اور مصیبت سے نجات عطا کر دیتا تو وہ دوبارہ شرک میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ قرآن عزیز میں اُن سے سوال کیا گیا:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝﴾ (النمل:62,63)

''بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اُس سے دعا کرتا ہے اور (کون اُس کی) تکلیف دُور کرتا ہے۔ اور (کون) تم کو زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے (یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے، (ہرگز نہیں مگر) تم بہت کم غور کرتے ہو۔ بھلا کون تم کو جنگل اور دریا کے اندھیروں میں رستہ بتاتا ہے اور (کون) ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے (یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے (ہرگز نہیں) یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں، اللہ (کی شان) اس سے بلند ہے۔''

دنیا کا معاملہ یہ ہے کہ اگر ایک آدمی کسی دوسرے سے کچھ مانگے، تو وہ ایک، دو یا تین بار دے دے گا، لیکن بالآخر تنگ آ جائے گا، خواہ وہ کتنا ہی فیاض اور سخی کیوں نہ ہو۔ انسان کی فیاضی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ اِس کے برعکس ہے۔ اپنے بندے کے بار بار مانگنے سے وہ خوش ہوتا ہے۔ بندہ اُس سے جتنا زیادہ مانگے، اُسے اتنی ہی زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ میرے بندے نے مجھ اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھا ہے، مجھ سے اپنی امیدیں وابستہ

کی ہیں۔ پھر یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کو اُن کی طلب سے بڑھ کر بھی عطا فرما دے تو بھی اُس کے خزانہ غیب میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوتی۔ حدیث قدسی کا مفہوم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا کے اول وآخر تمام جن وانس مل کر مجھ سے بیک وقت دُعائیں مانگیں، اور میں اُن سب کی ضرورت کو پورا کردوں، تو میرے خزانے میں اتنی بھی کمی واقع نہیں ہوتی جتنی کہ سمندر میں ایک سوئی کو ڈال کر نکالنے سے سمندر کا پانی کم ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا دُعا مانگنا بے حد پسند ہے۔ وہ اپنے بندوں سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ مجھ سے مانگیں، میں اُن کی دُعائیں قبول کروں گا۔

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِىْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝﴾ (المومن:60)

"اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے ازراہ تکبر کنیاتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلیل ہوکر داخل ہوں گے۔"

سورۃ البقرہ میں فرمایا:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝﴾ (آیت:186)

"اور (اے پیغمبر) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں، جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ تو اُن کو چاہیے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک رستہ پائیں۔"

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ہمارا مالک اور رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جس وقت آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے، سماء دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اور ارشاد فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے، میں اس کو عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش چاہے، میں اس کو بخش دوں۔"

دعاؤں کی قبولیت کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان جو چیز مانگے، اللہ تعالیٰ اُسے عطا فرما دے۔ دوسرے یہ کہ انسان کی مانگی ہوئی شے حقیقت کے اعتبار سے انسان کے لیے نقصان دہ ہو۔ کیونکہ بسا اوقات آدمی اپنے لیے خیر کی بجائے شر مانگ بیٹھتا ہے۔ تو اللہ بندے کی دُعا کو من وعن قبول نہ کرے، مگر مانگی ہوئی چیز سے بہتر عطا فرما دے۔ اور قبولیت دُعا کی تیسری صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ دُعا کو دنیا میں قبول نہ کرے، لیکن اُسے توشۂ آخرت بنا دے۔ یعنی بندے کی دُعا کے طفیل اُسے آخرت میں خیر و بھلائی عطا فرما دے۔ گویا دُعا کسی بھی صورت میں ضائع نہیں ہوتی۔ دُعا کا فائدہ انسان کو کسی نہ کسی صورت میں ضرور ہوتا ہے۔

اب اصل سوال کی طرف آتے ہیں کہ آج ہم مسلمان اللہ سے بکثرت دُعائیں مانگتے ہیں۔ نماز کے بعد دعائیں ہوتی ہیں۔ حج کے بعد لاکھوں لوگ اپنے لیے، اسلام کے غلبے کے لیے اور عالم اسلام کی ترقی اور زبوں حالی سے نجات کے لیے دُعائیں مانگتے ہیں، کفر کا زور ٹوٹنے کے لیے دُعا کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ ہر جمعہ میں اجتماعی دعائیں ہوتی ہیں۔ لیکن ہماری یہ دُعائیں کہاں جاتی ہیں۔ یہ قبول کیوں نہیں ہوتیں؟ (معاذ اللہ) کیا اللہ نے ہماری دُعائیں سننا چھوڑ دی ہیں؟ کیا وہ سمیع وعلیم نہیں رہا؟ ہرگز نہیں۔ اگر یہ خیال بھی پیدا ہوجائے تو ایمان کے لالے پڑ جائیں گے...... دعاؤں کے قبول نہ ہونے کی اصل وجہ ہمارے اعمال کی خرابی ہے، اُن تقاضوں کا پورا نہ کرنا ہے جو دُعا کے لیے ضروری ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں متنبہ فرما

پریس ریلیز یکم جون 2008ء

نظامِ عدل اجتماعی کے قیام کی جدوجہد ایک مسلمان کی بنیادی ذمہ داری ہے

ڈاکٹر اسرار احمد

انسان کی حقیقی کامیابی یا ناکامی اور خوشحالی یا بدحالی کا اسلام کے ساتھ گہرا تعلق ہے، چنانچہ اسلام کے بغیر انسانی زندگی سراسر خسارہ اور تباہی ہے۔ یہ بات بانیٔ تنظیم اسلامی وصدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ڈاکٹر اسرار احمد نے قرآن آڈیٹوریم لاہور میں اپنی ماہانہ سوال و جواب کی نشست میں اس سوال کے جواب میں کہی کہ کیا انسانی کامیابی اور خوشحالی کا تعلق اسلام کے ساتھ ہے اور اگر ہے تو کیسے؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ انسانی زندگی یہی صرف اس دنیا کی زندگی نہیں ہے بلکہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس ضمن مین قرآن مجید، سورہ العصر میں کامیابی کے چار ناگزیر لوازم بیان ہوئے ہیں، یعنی: ایمان، نیک اعمال، حق کی تلقین، تاکید اور صبر کی وصیت، گویا اگر غیب یعنی اللہ، اللہ کے فرشتوں، رسولوں، آخرت اور جزا وسزا کے دن پر ایمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری، حق کا اعلان اور پرچار اور اس راہ میں جو بھی مشکلات اور مصائب پیش آئیں، انہیں جھیلنے اور برداشت کرنے کا جذبہ نہیں ہے تو دنیاوی لحاظ سے کوئی شخص خواہ کتنا ہی مال دار ہو اور عزت وشہرت اور طاقت وغیرہ کا مالک کیوں نہ ہو، اسلام کی رو سے وہ پرلے درجے کا بدبخت، بدنصیب اور ناکام شخص ہوگا۔ جبکہ اس کے برعکس اگر کوئی شخص ان چاروں لوازم پر عمل پیرا ہے تو وہ کامیاب ہے خواہ دنیاوی طور پر وہ مفلس، لاچار، بے بس اور بے نام ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا اسلام میں صرف آخرت کی ہی نہیں، دنیا میں بھی کامیابیاں ہیں مگر ان کے لیے محض انفرادی نیکی اور تقویٰ کافی نہیں، بلکہ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا قیام لازم ہے جس کے لیے جدوجہد ایک مسلمان کی اولین اور اہم ترین ذمہ داری ہے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشرواشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

دیا تھا کہ اگر تم فلاں فلاں کام کرو گے تو تمہاری دُعائیں قبول نہیں ہوں گی۔ نبی اکرم ﷺ کے ذریعے ہمیں کامل رہنمائی عطا ہو چکی ہے۔ اگر ہم اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے تو مجرم ہم ہیں۔ پھر قصور ہمارا اپنا ہے۔ دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا ایک بنیادی سبب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام کو چھوڑ دینا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ (مسلمانو!) تمہیں لازماً نیکیوں کا حکم دینا ہو گا، اور برائیوں سے روکنا ہو گا (یہ تمہارا فرضِ منصبی ہے) ورنہ اندیشہ ہے کہ اللہ کی طرف سے تم پر خاص سزا مسلط ہو گی اور (اس سزا کا ظہور اس طرح ہو گا کہ) تم اللہ تعالیٰ کو پکارو گے مگر تمہاری دُعائیں قبول نہیں فرمائے گا۔

اس کی طرف اشارہ قرآن مجید میں بھی ملتا ہے۔ اہل کتاب سے فرمایا گیا کہ اللہ کی نگاہ میں تمہاری کوئی حیثیت ہی نہیں جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرلو۔

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۝﴾

(المائدہ: 68)

”کہو کہ اے اہل کتاب! جب تک تم تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) تمہارے پروردگار کی طرف سے تم لوگوں پر نازل ہوئیں اُن کو قائم نہ رکھو گے کچھ بھی راہ پر نہیں ہو سکتے اور (یہ قرآن) جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے، اس سے ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر اور بڑھے گا۔ تو تم قوم کفار پر افسوس نہ کرو۔“

اگر اس مقام پر ہم اپنے آپ کو رکھیں تو مطلب یہ ہو گا کہ اے اہل قرآن تمہیں جو نظام دیا گیا ہے اگر تم اُسے قائم نہیں کرتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنیاد پر ایک معاشرہ تشکیل نہیں دیتے اور منکرات کے خاتمے کے لیے کمر بستہ نہیں ہوتے، جو شریعت ہم نے تمہیں عطا کی ہے، اُسے قائم کرنے کو تیار نہیں، جو مشن ہم نے تمہیں دیا ہے، اس کو بھلائے بیٹھے ہو تو پھر اللہ کی نگاہ میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ پھر تم کس منہ سے اللہ سے دُعا مانگتے ہو، تمہاری دُعائیں کیونکر قبول ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی حیثیت کیا ہے۔ یہ دراصل معاشرے کو راہ راست پر رکھنے کے لیے ایک میکنزم، ایک نظام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ ایک حقیقی اسلامی ریاست، جہاں قرآن و سنت کی بالادستی ہوتی ہو، دین بالفعل قائم ہو، اور کوئی قانون کتاب وسنت کے خلاف نہ بن سکتا ہو، اُس میں معاشرے کو راہ راست پر رکھنے کے لیے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکومتی سطح پر ایک نظام ہونا چاہیے، تا کہ شر کی قوتوں کا قلع قمع ہو۔ شر کی قوتیں ہر دور میں موجود رہتی ہیں کہ حق و باطل کی کشمکش ازل سے چلی آ رہی ہے۔ شر کی قوتیں ہمارے اندر بھی ہیں۔ مثال کے طور پر نفس امارہ جو ہمیں برائی کی طرف بلاتا ہے۔ اسی لیے تو ہم اللہ تعالیٰ سے نفس کے شرور سے پناہ مانگتے ہیں۔ نفس امارہ کو کنٹرول کرنے اور روکنے والی شے اللہ کا تقویٰ اور آخرت کا خوف ہے۔ خارج میں بھی شیطان اور اس کے چیلے سرگرم ہیں، شیطانی قوتیں موجود ہیں۔ اگر آپ اسلامی نظام قائم کر دیتے ہیں، لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام نہیں کرتے، تو کچھ ہی عرصہ بعد شر دوبارہ غالب آ جائے گا۔ لہٰذا نیکی کی تلقین کرنا، حق کا پرچار کرتے رہنا اور بدی کے بارے میں شعور بیدار کرنا، منکرات اور گناہوں کے خلاف نفرت پیدا کرنا اور برائی کے خلاف زبان کو استعمال کرنا اور جہاں ضرورت داعی ہو، وہاں قوت کو استعمال میں لانا لازم ہے، ورنہ شر کی قوتیں غالب آ جائیں گی۔ اور معاشرے پر شر اور شیطانی قوتوں کا غلبہ ہو گا۔ چنانچہ جب مدینہ میں اسلامی ریاست کی داغ بیل پڑ رہی تھی، اُس وقت مسلمانوں کو یہ چارٹر دیا گیا کہ:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۝﴾

(الحج:41)

”یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم اُن کو ملک میں دسترس دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں۔ اور سب کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔“

اگر اسلامی حکومت قائم نہیں تو مسلمانوں کو اس کے قیام کے لیے جدوجہد کرنی ہو گی۔ نیکیوں کے فروغ اور برائی کے خاتمے کے لیے اپنی صلاحیتیں وقف کرنا ہوں گی اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام نہیں ہو گا تو اس کا انجام معاشرتی ابتری ہو گا۔ معاشرہ میں جب کوئی غلط کام شروع ہوتا ہے، تو یہ معاشرتی بگاڑ اور فساد کی ابتداء ہوتی ہے۔ اگر لوگ اِسے روکیں گے نہیں، اور اس سے صرف نظر کریں گے تو ایک وقت آئے گا کہ اِس فساد کی زد میں پورا معاشرہ آ جائے گا۔ افسوس، آج ہمیں معلوم ہی نہیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی کرنے کا کوئی کام ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ برائی سے چشم پوشی کو رواداری اور برداشت کا نام دیا جا رہا ہے، حالانکہ یہ رواداری نہیں ایمان کے یکسر منافی طرزِ عمل ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے جو شخص بھی برائی دیکھے، اُس پر لازم ہے کہ اُسے ہاتھ سے روکے، یعنی قوت سے بدلے۔ اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو زبان سے بُرا کہے۔ اور اگر اس کی استطاعت بھی نہیں رکھتا تو دل میں ضرور بُرا جانے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ اس کے بعد آدمی میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہیں ہو گا۔“

ضرورت اِس بات کی ہے کہ ایک جماعت قائم ہو جو امر بالمعروف کرے اور منکرات سے روکے۔ منکرات میں سب سے بڑا منکر باطل نظام ہے۔ لہٰذا جماعت کا ہدف یہ ہو کہ باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر اللہ کے دین کو قائم کرے، جس سے صحیح معنوں میں شر کا خاتمہ ہو گا اور معاشرے میں خیر و بھلائی کی ترویج ہو گی۔ الحمدللہ، تنظیم اسلامی اِسی ہدف کو لے کر آگے بڑھ رہی ہے۔ اور اس کے لیے ہمارا طریقہ، منہج انقلاب نبوی ﷺ سے ماخوذ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت بنائی، اور جب تک باطل نظام کو چیلنج کرنے کی قوت حاصل نہیں ہوئی، زبان سے توحید کی دعوت دیتے رہے، شرک اور باطل نظام کے خلاف بھرپور آواز بلند فرماتے رہے۔ جب حزب اللہ تیار ہو گئی، تو معاملہ یہ ہو گیا کہ

بانشہ درویشی در ساز دما دم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

چنانچہ اب حزب اللہ نے باطل نظام نے ٹکر لی اور جزیرہ نمائے عرب میں اسلام غالب ہو گیا۔ آج ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہم احکام الٰہی کی تعمیل کے ساتھ ساتھ امر بالمروف اور نہی عن المنکر کے لیے اپنی توانائیاں وقف کر دیں۔ اقامت دین کے لیے اپنا تن من دھن لگا دینے کے لیے آمادہ ہو جائیں، پھر ہماری دُعائیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ ان شاء اللہ۔

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

مفاہمت مگر کس سے؟

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ
بانی تنظیم اسلامی

14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر پاکستان کے نام سے ایک نئے مسلمان ملک کا اضافہ ہوا۔ یہ ملک کیسے معرض وجود میں آیا یہ خون سے عبارت ایک طویل داستان ہے۔ جس کے عینی شاہد میری عمر کے پاکستانی ہیں۔ میں نے اپنی نظروں کے سامنے اس ملک کو بنتے دیکھا۔ میں ضلع حصار مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا جنرل سیکرٹری تھا۔ ہم نوجوانوں کے جتھے ہندوستان کے گلیوں اور بازاروں میں نعرے لگاتے تھے کہ بن کے رہے گا، پاکستان، لے کے رہیں گے پاکستان، اور پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ۔ یہ ملک ہم نے انگریز اور ہندو کی دوہری غلامی سے بیزار ہو کر حاصل کیا تھا اور اللہ سے گڑگڑا کر دعائیں کی تھیں اے اللہ ہمیں خطۂ ارضی عطا کر جس میں آزاد اور خودمختار حیثیت میں رہتے ہوئے تیرے دین یعنی اسلام کو نافذ کر سکیں اور دنیا کو دکھا سکیں کہ اسلامی فلاحی ریاست کیا ہوتی ہے مگر ملک بن جانے کے بعد ہم اللہ سے کیا گیا وعدہ بھول گئے اور ہمیں اس وعدہ خلافی کی سزا 1971ء میں مل گئی یعنی ایک ملک پاکستان دو حصوں میں بٹ گیا اور دوسرے حصے نے اپنا نام بنگلہ دیش رکھ لیا۔

اتنے بڑے سانحے کے بعد ضرورت اس امر کی تھی کہ ہم زندہ قوم کی حیثیت سے اپنی غلطیوں کا زائچہ بنائے اور ان کا اعادہ نہ کرتے۔ مگر ساٹھ سال گزرنے اور ملک کے دولخت ہونے کے باوجود ہم نے ماضی سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ہمارا ملک بھوک، افلاس، ننگ اور ہر اعتبار سے ابتری کی انتہا پر پہنچا ہوا ہے۔ قوم کی عظیم اکثریت آٹے کے لیے ماری ماری پھر رہی ہے۔ مائیں اپنی کوکھ سے جنم لینے والے جگر گوشوں کو اپنے ہاتھوں سے ریل کی پٹڑیوں پر لٹا رہی ہے۔ باپ کے ہاتھ اولاد کے لیے دست شفقت کی بجائے دست قضا بنتے جا رہے ہیں۔ بھائی کا خون بھائی کے لیے سفید ہو گیا ہے۔ رشتوں کا اعتبار ختم ہوتا جا رہا ہے۔ عزت کے رکھوالے، عزت سے کھیلنے والے بن گئے ہیں۔ عورت کی عزت سر عام نیلام ہو رہی ہے۔ حوا کی بیٹیوں کی عصمتیں لٹ رہی ہیں۔ ہر طرف خوف و ہراس نے ڈیرے لگائے ہوئے ہیں۔ بدامنی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ گھروں کی چار دیواریاں غیر محفوظ ہو گئی ہیں۔ محافظ چور اور چوراچکے رہنما بن گئے ہیں۔ آخر یہ سب کیا ہے اور کیوں ہے؟ کبھی ہم نے اس پر غور کیا؟ اس زبوں حالی کی سب سے بڑی وجہ اولاً ہماری رب سے دوری ہے۔ اس وقت سب سیاسی رہنما پوری قوم کو ''قومی مفاہمت'' کے نام پر بیوقوف بنا رہے ہیں اور اس مفاہمت کی آڑ میں سب ''کھایا پیا'' ہضم کیا جا رہا ہے اور اتحادی حکومت نے سب سے پہلے نہ بدامنی کے لیے کچھ کیا، نہ روٹی، کپڑے اور مکان کے لیے کچھ کیا۔ اگر کیا تو قومی مفاہمت کے نام پر ایک دوسرے کے مقدمات کو معاف کیا ہے۔ گویا خرابی کی سب سے بڑی جڑ یہ تھی لیکن اصل مفاہمت کو بھلا دیا جو رب تعالیٰ سے کرنے کی ضرورت تھی کہ ہم بحیثیت قوم اس کے سامنے گڑگڑا کر دعائیں کرتے کہ اے اللہ ہمیں معاف فرما اور اب ہم تیرے دیئے ہوئے خطہ ارضی کو اسلام کا گہوارہ بنا دیں گے۔ مگر سب کچھ اس کے الٹ ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آٹے، گھی، تیل وغیرہ اور عاقبت نااندیش حکمران کی حکومت کا عذاب سہہ رہے ہیں اور روز بروز اس عذاب میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

قارئین! ہمارا ملک جس کے لیے ہزاروں ماؤں نے اپنے بچوں کی قربانیاں دیں، جس کے لیے ہزاروں خواتین کے سہاگ اجڑے، ہزاروں عفت مآب بچیوں کی عصمتیں تار تار ہوئیں، کئی بچے بے سہارا اور یتیم ہوئے، انگریز کی غلامی سے نکلنے کے بعد پھر امریکی استعمار کے چنگل میں چلا گیا ہے، جس میں عملاً حکومت امریکی سفیر اور جان نیگرو پونٹے کی ہے۔ یہ لوگ ہماری موجودہ قیادت کو اپنی پالیسیوں کے نفاذ کے لیے بریف کرتے ہیں، ہماری قوم اور ملک کو قبائلیوں سے مذاکرات کرنے سے روکتے ہیں، وہ قبائلی جنھوں نے موجودہ آزاد کشمیر کو بھارت سے ہمیں دلوایا تھا، وہ قبائلی جن کی پاکستان سے وفاداری کسی شک وشبے سے بالاتر ہے۔ یہ امریکی ہی ہیں جو آزاد منش ججز کی بحالی کے خلاف ہیں کیونکہ ان ججز نے لاپتہ افراد کے کیس کو قابل سماعت قرار دیا تھا، وہ لاپتہ افراد جن کو ہمارے ''صدر محترم'' نے امریکہ کے پنجروں میں بند کر کے دیا تھا۔ اس کیس کی سماعت جاری رہتی تو امریکہ بے نقاب ہو جاتا۔ یہی وہ خوف ہے جس کی وجہ سے ججز کا مسئلہ لٹکا ہوا ہے۔ ججز کی بحالی سے امریکہ کے ساتھ صدر مشرف، آصف علی زرداری اور الطاف حسین وغیرہ کو بھی خوف ہے کیونکہ یہ ججز قومی مفاہمتی آرڈیننس کے خلاف بھی حکم امتناعی دے چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ججز کے مسئلے پر زرداری کو الٹی گنتی اور لانگ مارچ سے چڑ ہے اور وہ اس مسئلہ کو آڑ بنا کر دوسرے عوامی مسائل پر بھی توجہ نہیں دے رہے۔ ان کے حکومتی دور میں ابھی تک ایک ہی کام پایہ تکمیل تک پہنچا ہے اور وہ تمام مقدمات سے ''باعزت'' بریت ہے۔ شورش کاشمیری مرحوم نے شائد اس موقع کے لیے یہ شعر کہا تھا۔

میرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو
گھری ہوئی ہے ''طوائف'' تماش بینوں میں

ساٹھ سال کے تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ وطن کی سول اور ملٹری بیوروکریسی اور سیاستدان تماش بین ہیں اور اب سیاست کے ساتھ ساتھ قوم بھی ان کے نرغے میں گھری ہوئی ہے اور ملک پاکستان ایک مرتبہ پھر دوراہے پر کھڑا ہے۔ ایک راستہ رب کی جانب جاتا ہے اور دوسرا تباہی کی جانب، جس کی جانب ہم روز بروز بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ فیصلہ اب قوم کو کرنا ہے۔ قوم امریکی غلام حکمرانوں سے نجات صرف اس صورت میں پا سکتی ہے جب وہ معتد بہ تعداد میں پُرامن اور منظم عوامی تحریک کے لیے تیار ہو جائے اور عہد کر لے کہ ملک کو رب تعالیٰ سے مفاہمت کے بعد اس کے دین کا گہوارہ بنانا ہے۔ اس کے بعد ہی ہم ہر نوع کے عذابوں اور آزمائشوں سے بچ سکیں گے، تب ہی ہماری زمین اپنے خزانے اگلے گی اور آسمان بھی باران رحمت برسائے گا۔ پھر ہر سو رحمتوں اور برکتوں کا دور دورہ ہوگا۔ فیصلہ اب ہمارے ہاتھ میں ہے۔

تکبر: ایک مہلک مرض

چودھری رحمت اللہ بٹر

جب انسان اپنی تخلیق کو بھول جاتا ہے اور اپنی حیثیت اور وسائل کو اپنی کارکردگی اور محنت کا پھل قرار دیتا ہے تو اس میں غرور نفس اور کبریائی کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ مقام میرا حق ہے کیونکہ یہ مجھے میری خوبیوں اور صلاحیتوں کی وجہ سے ملا ہے۔ ایسا شخص اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں بڑا سمجھتا ہے اور دوسروں کو اپنے سے کم تر اور حقیر جانتا ہے۔ یہی تکبر ہے۔ تکبر ایسی اخلاقی برائی ہے جس سے بہت کم لوگ بری ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ علماء اور عابد و زاہد بھی اس سے خالی نہیں ہوتے۔ تکبر کا مظہر یہ ہوتا ہے کہ لوگ دوسروں کو بات کی قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اس کی بہت سی جہتیں اور نشانیاں ہیں جن کا ذکر قرآن مجید اور احادیث میں ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ القصص میں فرماتا ہے۔

"وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اُسے اُن لوگوں کے لیے (تیار) کر رکھا ہے جو دنیا میں نہ تو اپنی برتری چاہتے ہیں اور نہ ہی فساد۔ اور انجام تو پرہیزگاروں کے لیے ہے۔" (آیت:83)

دنیا میں جن لوگوں نے متکبرانہ رویہ اختیار کیا ان کی مثالیں اس لیے بیان کی گئی ہیں تاکہ انسان اس غلط رویے سے بچ سکے۔ مثلاً فرعون کا ذکر ہے کہ:

"بیشک فرعون زمین پر بڑا بن بیٹھا اور زمین کے رہنے والوں کو گروہوں میں بانٹ دیا، ایک گروہ کو دبا دیتا اور ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ بیشک وہ فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔" (قصص:4)

اسی سورت میں قارون کے بارے میں جو اپنی دولت کی بنیاد پر تکبر میں مبتلا تھا، فرمایا:

"بے شک قارون موسیٰؑ کی قوم میں سے تھا، اور اُن پر تعدی کرتا تھا۔ اور ہم نے اسے اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتیں۔ (اور اُس وقت کو یاد کرو) جب اُس کی قوم نے اسے کہا کہ اپنے (مال پر) اتراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (آیت:76)

اس سلسلے میں قرآن مجید نے جو عمومی ہدایات دی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنی ہر حالت کو آزمائش سمجھے، خواہ وہ مالدار ہو جائے یا تنگ دست۔ قرآن عزیز کہتا ہے:

"انسان (کا معاملہ عجیب ہے کہ) جب اللہ تعالیٰ اس کی آزمائش کے لیے کوئی رتبہ دیتا ہے یا دنیا کی نعمتیں تو کہہ اٹھتا ہے کہ اللہ نے مجھے بڑی عزت دی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی کی آزمائش کے لیے اس پر رزق تنگ

"اور (ازراہ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کہ اللہ کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا" (القرآن)

کر دیتا ہے تو وہ پکار اٹھتا ہے کہ (ہائے) اللہ تعالیٰ نے مجھے ذلیل کر دیا ہے۔" (الفجر:15،16)

جب انسان کی ہر حالت آزمائش کا ذریعہ ہے، اور وہ اللہ ہی کے اذن سے آتی ہے تو پھر انسان کو ہرگز زیبا نہیں کہ تکبر کرے۔ چنانچہ سورۂ لقمان میں فرمایا:

"اور (ازراہ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کہ اللہ کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔" (آیت:18)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے۔ جو ان میں سے کچھ بھی چھیننا چاہتا ہے تو میں اسے آگ میں ڈال دوں گا۔" (مسلم وابوداؤد)

گویا تکبر عزت کے منصب سے گرا دینے والی خصلت ہے اور پھر انسان کو تکبر کا کیا حق ہے جو اپنے وجود پر بھی مختار نہیں ہے اور اُس کے پاس جو اسباب ہیں، وہ تو سارے اللہ تعالیٰ ہی کے مہیا کیے ہوئے ہیں۔

ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا:

"کیا میں تم کو آگاہ نہ کروں کہ دوزخ والے کون ہیں؟ ہر سرکش، بد خلق اور تکبر کرنے والا۔" (متفق علیہ)

ایک موقع پر فرمایا:

"جنت اور دوزخ میں مکالمہ ہو گیا تو دوزخ نے کہا میرے اندر تو جبار اور متکبر ہیں اور جنت نے کہا میرے اندر تو مساکین اور غریب لوگ ہیں۔" (رواہ مسلم)

ایک اور حدیث ہے:

"تین قسم کے لوگ وہ ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) نہ کلام فرمائیں گے اور نہ اُن پر نظر رحمت کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔ (یہ تین لوگ ہیں) بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ اور فقیر متکبر۔"

تکبر کی حقیقت کیا ہے اور اس کا اظہار کس صورت میں ہوتا ہے، اسے بھی آپؐ نے اپنے دو فرمودات میں واضح فرما دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وہ شخص جنت میں نہیں جاسکے گا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا۔ ایک صحابی نے پوچھا، ایک شخص چاہتا ہے اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کا جوتا خوبصورت ہو (تو کیا یہ بھی تکبر کرتا ہے؟)۔ آپؐ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے (یعنی یہ تکبر نہیں ہے بلکہ) تکبر یہ ہے کہ آدمی حق کو جھٹلا دے اور انسانوں کو حقیر سمجھے۔" (مسلم، ابوداؤد)

قبول حق میں اصل رکاوٹ انسان کی انانیت ہوتی ہے۔ اس کا نفس ایمان کی پابندیاں اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور اکڑ چھوڑ کر انکساری قبول نہیں کرتا اور اپنے خاندان اور حیثیت کی بنیاد پر دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔

انسان کے لباس میں تکبر کا جو اظہار ہو سکتا ہے، اس کا ذکر بھی رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف توجہ نہیں فرمائے گا جس کا تہبند اترانے کی غرض سے لٹکا ہوا ہوگا اور دوسری روایت میں ہے جس نے اپنے کپڑے کو نماز میں لٹکایا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حلال و حرام میں کسی چیز پر نہ ہے۔

آپؐ نے ایک آدمی کی مثال دے کر تکبر کی

شناعت بیان کی تا کہ لوگوں کے سامنے اس کی ہلاکت رہے۔ فرمایا: ایک آدمی اپنے کپڑوں میں جا رہا تھا۔ اس کے کپڑے اسے بڑے عُجب میں ڈال رہے تھے۔ اس نے اپنے بالوں کو کنگھی بھی کی ہوئی تھی اور اُس کی چال میں تمکنت بھی تھی۔ اس حال میں اسے زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک یونہی دھنستا جائے گا۔

ہر چند اچھی پوشاک پہننا اور بالوں کو کنگھی کرنا درست ہے بلکہ سنت بھی ہے لیکن اگر اپنی پوشاک پر غرور پیدا ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

اپنے بندوں کو تکبر سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی عبادات کو لازم کر دیا، تا کہ وہ اپنی حیثیت کو بھولنے نہ پائیں۔ انہیں یاد رہے کہ وہ اللہ کے بندہ ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (اللہ کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔ (یہ) کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہیں اور اپنے تئیں فراموش کیے دیتے ہو، حالانکہ تم کتاب (اللہ) بھی پڑھتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں، اور (رنج و تکلیف میں) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں) جو عجز کرنے والے ہیں۔" (البقرہ: 43تا45)

نماز آدمی کو عاجزی کی تعلیم دیتی ہے کہ وہ مالک کے آگے قوت اختیار کر کے، رکوع کرے اور سجدہ میں گر کر اس کی برتری کا اقرار اور اپنی عاجزی کا بالفعل اقرار کرے۔ مال و دولت سے انسان میں تکبر پیدا کرتا ہے، لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی سے اسے اللہ کی عطا اور فضل کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

اہل ایمان سے فرمایا گیا:

"اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدے کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور نیک کام کرو تا کہ فلاح پاؤ۔" (الحج: 77)

جہنمیوں سے بھی جب پوچھا جائے گا کہ کون سی چیز تمہیں یہاں لائی تو وہ یہی کہیں گے کہ:

"ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور فقیروں کو کھانا نہ کھلاتے تھے۔ اور اہل باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے۔ اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔" (المدثر: 43تا46)

دورانِ تعطیلات میٹرک اور ایف اے کے طلبہ کے فارغ اوقات کا بہترین مصرف

قرآن کالج

191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

کے زیر اہتمام اس سال

اسلامک جنرل نالج ورکشاپ

کا انعقاد...... 9 جون تا 12 جولائی 2008ء...... ہوگا ان شاء اللہ!

اوقات: صبح 9:00 تا دوپہر 1:00 بجے روزانہ

مضامین:

1) تجوید و ناظرہ
2) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب
3) مطالعہ حدیث
4) تعارف ارکانِ اسلام، مسائل نماز
5) بنیادی انگلش گرامر پر خصوصی لیکچرز

کورس کے اختتام پر کامیاب طلبہ میں اسناد تقسیم کی جائیں گی۔

ہاسٹل میں محدود سہولت دستیاب ہے۔ ہاسٹل میں مقیم طلبہ کے لیے شام کے اوقات میں خصوصی کلاسز کا اہتمام ہوگا۔ ان شاء اللہ!

نوٹ: کورس فیس 500 روپے جبکہ ہاسٹل میں مقیم طلبہ کے لیے زیر طعام و رہائش 1800 روپے

ان مستحق طلبہ کے لیے جو واجبات ادا نہ کر سکتے ہوں، خصوصی رعایت کی سہولت

المعلن: ناظم قرآن کالج (فون 042-5833637)

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر لڑکی، عمر 29 سال، پوسٹ گریجویٹ کے لیے اعلیٰ تعلیم یافتہ دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0306-4307015

☆ حلقہ بہاولنگر کے رفیق تنظیم کو اپنی بیٹی، عمر 20 سال، تعلیم بی ایس سی (رفیقہ تنظیم) کے لیے دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0334-7021230

دعائے مغفرت کی اپیل

- حلقہ سرحد جنوبی کے رفیق نصر اللہ کی پھوپھی بقضائے الٰہی وفات پا گئیں
- تنظیم اسلامی حیدر آباد کے رفیق آصف احمد کے چچا کا انتقال ہو گیا
- ہارون آباد کے رفیق تنظیم حافظ طاہر مقصود جو پنجاب یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے، وفات پا گئے
- بہاولنگر شہر کے ملتزم رفیق حافظ محمد مظہر کے والد وفات پا گئے
- مبتدی رفیق (سکھر) توقیر احمد خان کے بھائی کا انتقال ہو گیا
- رفیق تنظیم اسلامی حلقہ شمالی لاہور فرقان صدیق ایڈووکیٹ کی والدہ ماجدہ بقضائے الٰہی وفات پا گئیں
- اُسرہ تھانہ (حلقہ سرحد شمالی) کے رفیق تنظیم الطاف حسین کے والد روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پا گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ رفقائے تنظیم اسلامی اور قارئین ندائے خلافت سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے

دعائے صحت کی اپیل

☆ تنظیم ہارون آباد کے رفیق ارشد علی کے روڈ ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ریڑھ کی ہڈی میں فریکچر ہو گیا ہے۔ وہ ان دنوں ملتان میں زیر علاج ہیں

اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقائے تنظیم اسلامی سے بھی دعائے صحت کی اپیل ہے

انقلاب ایران کے بعد

ایک ناکام سازش

سید قاسم محمود

1978ء کے اوائل میں جب امریکی سامراج کو یقین ہوگیا کہ پہلوی شاہی حکومت کا زوال آچکا ہے اور اب انقلاب کامیاب ہوکر رہے گا تو انہوں نے اپنی پروپیگنڈا مہم کا رُخ موڑنے کا فیصلہ کیا اور شاہ کی بجائے پہلی تحریکوں، بالخصوص ''جبہہ ملی'' کے رہنماؤں کی تشہیر شروع کردی۔ بی بی سی لندن، وائس آف امریکا اور ریڈیو اسرائیل نے اپنی اپنی فارسی خبروں اور سیاسی تجزیوں کے ذریعے ''جبہہ ملی'' کے رہنماؤں، لبرل، سیکولر اور دوسرے مغرب زدہ لیڈروں کو ''قائدین انقلاب'' کی حیثیت سے پیش کرنے کی ناکام کوشش بلکہ سازش شروع کی۔ جن لوگوں نے ایرانی اسلامی انقلاب میں بڑا گھناؤنا کردار ادا کیا تھا، اُنہی کو انقلاب کے اصل ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا۔ مغربی ذرائع ابلاغ، اخبارات سے لے کر ریڈیو تک، ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح ہر خبر ان امریکی ایجنٹوں سے مربوط ہو جائے اور کسی بھی قلمی ترکیب سے خبروں میں ان کا نام نمایاں ہوجائے تاکہ یہ ثابت ہوسکے کہ اصل انقلاب کے ہیرو یہی لوگ ہیں۔ یہ سب کچھ ایسے ماحول میں کیا جا رہا تھا جب عوام مجاہد علمائے دین کے زیرِ قیادت اپنی انقلابی تحریک چلا رہے تھے جو ایک عرصے سے شاہی حکومت کے خلاف جدوجہد کررہے تھے، مگر سامراجی تشہیری مہم نے علماء کا نام تک نہ آنے دیا، بلکہ اُن کے خلاف زہر اگلنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

ظاہر ہے کہ سامراجی تشہیری مہم کا مقصد اس طرح ایک طرف تو مغربی تہذیب کے علم برداروں کی پوزیشن مضبوط کرنا تھا جو اسلام اور اسلامی حکومت کے خلاف تھے، اور دوسری طرف علماء کو کمزور دکھانا، اُن کی کمزوریوں کی نشان دہی کرنا اور خمینی کی قیادت کو دنیا کے سامنے بے اثر بنا کر پیش کرنا تھا۔ سامراجی صحافی اپنے جائزوں کے ذریعے یہ نتیجہ نکال رہے تھے کہ اگر مغرب زدہ، امریکی ایجنٹوں کے مفاد کے مدنظر پہلے ہی سے پروپیگنڈے ہوتے رہیں گے تو شاہ کے فرار اور انقلاب کی کامیابی کے بعد قیادت یا تو صرف مغرب پرستوں کے ہاتھوں میں ہوگی یا کم ازکم اُن کے اور علماء کے درمیان تقسیم ہوجائے گی اور اس طرح انقلاب کی ''اسلامی'' ماہیئت کو ظاہر ہونے اور انقلاب کو اسلام کی راہ پر چلنے سے آسانی روکا جاسکے گا۔

امریکی سامراج کا یہ جائزہ اگرچہ اپنی جگہ بڑا خطرناک تھا، مگر ایرانی عوام میں علماء کے گہرے اثر رسوخ اور خمینی کی قیادت کی غیر معمولی طاقت، نیز خمینی اور علماء پر ایرانی عوام کے بھرپور اعتماد کی بنا پر یہ جائزہ ''نامکمل'' جائزہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سامراجی تشہیری ادارے اور ذرائع ابلاغ اپنے پٹھوؤں کی شخصیتوں کو ابھارنے کے لیے پروپیگنڈا کررہے تھے، وہ سب بے اثر ثابت ہوا۔ صرف یہی نہیں، بلکہ اس پروپیگنڈے نے امریکا نواز لیڈروں کی شخصیت و کردار کو مزید مشکوک بنادیا۔ انقلاب کی جدوجہد میں کسی بھی چیز کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے ایرانی عوام سامراجی پروپیگنڈے کو معیار قرار دینے کی بجائے اسے خمینی کے معیار پر پرکھتے تھے۔ خمینی کے موقف سے کسی چیز، مسئلے یا اُس شخص کے عمل کی اچھائی یا برائی معلوم کرلیتے تھے اور یہ اس لیے کہ خمینی کی ذات ایرانی عوام کے لیے صداقت، شرافت، نیکی اور فداکاری کا مجسمہ اور اسلامی اقتدار کا مرکز تھی۔ اگرچہ امریکی گماشتوں نے اپنے آپ کو خمینی کا وفادار ظاہر کرنے کی ان تھک کوشش کی، مگر ایرانی عوام ان مغرب زدہ لوگوں سے اور اُن کے آقاؤں امریکا، برطانیہ اور اُن کے اتحادیوں سے اس قدر نفرت رکھتے تھے کہ نہ تو اُن کے فریب میں اُس وقت آئے اور نہ آج تک آئے ہیں، بلکہ شاید تمام 58 مسلم ملکوں میں ایران واحد ملک ہے جو پوری قوت وشدت سے امریکی سامراج کا مقابلہ کررہا ہے۔

> ایرانی انقلاب معاشرے کے ایک یا دو طبقے میں محدود نہیں تھا، بلکہ اِس میں یونیورسٹی اور کالج کے طلبہ، مزدور، کسان، تاجر، اساتذہ اور علماء، فوجی عناصر، بیوروکریسی کے افراد، غرض ہر طبقے کے لوگوں نے حصہ لیا تھا

بہرحال، امریکی سامراجیوں کی تمام کوششیں بے کار ثابت ہوکر رہ گئیں اور انقلاب کی قیادت کسی شک وشبے کے بغیر، خمینی کے ہاتھوں میں رہی اور انقلاب آگے بڑھتا رہا۔ یہاں اِس امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ اگرچہ خمینی کی قیادت کو ضعف پہنچانے کے سلسلے میں ''جبہہ ملی'' کے نمایاں افراد اور دوسرے مغرب زدہ لوگوں کے حق میں سامراجی ایجنٹوں کی تشہیری مہم مکمل طور پر ناکام ہوگئی، مگر اِن سامراجی حربوں کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ انقلاب کی کامیابی کے ابتدائی زمانے میں ایسے افراد، جنھوں نے انقلاب برپا کرنے کے سلسلے میں ذرا بھی حصہ نہ لیا تھا، وہ ملک کے اہم عہدوں پر فائز ہوئے۔ حد یہ ہے کہ وزارتِ خارجہ کے بھی حساس عہدوں پر فائز ہوگئے اور انقلاب کو شدید نقصان پہنچایا۔ انقلاب کی کامیابی کے بعد سامراجی عناصر مختلف محکموں میں، خود کو انقلاب پسند مشہور کرکے داخل ہوگئے، خصوصاً وزارتِ خارجہ میں اُن کا عمل دخل برقرار رہا اور درپردہ امریکی سازشیوں سے مل کر انقلاب کے خلاف کام کرتے رہے۔ انقلاب کی کامیابی کے بعد انہوں نے بارہا یہ کوشش کی کہ بیرونی ممالک میں یہ ظاہر کرسکیں کہ انقلاب دراصل ''پہلی تحریک'' ہی نے شروع کیا تھا اور اسی نے انقلاب کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا ہے، اور علماء تو انقلاب کے منظر پر اُس وقت رونما ہوئے ہیں جب انقلاب عنقریب آنے والا تھا۔ اُن کی مسلسل یہ کوشش رہی کہ دوسری تحریک میدان سے ہٹ جائے (پہلی تحریک اور دوسری تحریک، اور اُن کے امتیازات کی تفصیل ''ندائے خلافت'' کے سابقہ دوشماروں میں پیش کی جاچکی ہے)۔ وہ ہر ممکن طریقے سے دوسری تحریک یعنی علماء کی لائی ہوئی تحریک کو ملیامیٹ کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے خمینی کو اپنی ہر تقریر میں باربار یہ اعلان کرنا پڑا کہ یہ انقلاب عوام کا لایا ہوا ہے۔ کسی ایک پارٹی یا گروہ کا نہیں۔ خمینی

نے اِس حقیقت کا اعتراف 27 مئی 1981ء کو بھی مجلسِ شوریٰ کے سامنے بھی، مجلس کی پہلی سالگرہ کے موقع پر کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغرب زدہ، لبرل اور حکومت کے دوسرے مخالفین حکومت کو موردِ الزام وعتاب قرار دیا کرتے تھے۔ خمینی نے اُس وقت کہا تھا:

> "یہ علماء ہی تھے، جنہوں نے عوام کو گلیوں، کوچوں اور بازاروں میں نکالا اور یہ اسلام ہی تھا جس نے عوام کو شہادت کا استقبال کرنے پر آمادہ کیا، ورنہ کوئی جبہہ، کوئی محاذ، کوئی پارٹی اور کوئی گروہ عوام کو اس طرح میدان میں نہیں لاسکتا تھا کہ وہ رضا کارانہ طور پر موت کے پیچھے پیچھے چل پڑے ہوں اور اپنی خوشی سے شہادت کے طلب گار بن جائیں۔"

خمینی نے واضح طور پر جبہہ ملی، تحریک آزادی، مجاہدین خلق اور دوسری اُن تمام پارٹیوں اور تنظیموں کے غلط دعوؤں کا جواب دے دیا تھا۔ اِن تمام جماعتوں کا تعلق پہلی تحریک سے ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ کوئی پارٹی، کوئی محاذ، کوئی تنظیم یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ اُس نے انقلاب کو کامیاب بنایا، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اُنہوں نے انقلاب آنے کے بعد اُسے جلد از جلد ختم کرنے یا کم از کم کمزور بنانے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کیا۔ دوسری تحریک (علماء کی تحریک) سے تعلق رکھنے والی طاقتیں جو فی الحقیقت عوامی تحریک کو منظم کرنے والی تھی، انہوں نے ہمیشہ خود کو عوام کا ایک حصہ خیال کیا اور اُن میں سے کسی بھی طاقت نے، کبھی بھی انقلاب پر اپنا کوئی احسان نہیں رکھا، بلکہ انقلاب کے بارگراں کو اپنے ہی کاندھوں پر اٹھائے رکھا۔ وہ طاقتیں جو انقلاب کی کامیابی تک آپس میں مربوط اور منظم تھیں، اور عوام کو تیار اور آمادہ کرنے کے سلسلے میں قائد یعنی خمینی کے لیے دستِ وبازو کی حیثیت رکھتی تھیں، جن میں علماء اور دوسرے انقلاب پسند افراد شامل تھے، انقلاب کی کامیابی کے بعد "حزبِ جمہوری اسلامی" کے نام سے ایک فعال اسلامی تنظیم کی شکل میں اپنی انقلابی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہی تنظیم انقلاب کے بہی خواہ افراد اور سچے انقلابی گروہوں کے لیے قابلِ اعتبار بنی۔ اِس تنظیم نے ہمیشہ عوام ہی کو انقلاب کا اصلی ہیرو سمجھا ہے۔

انقلابی طاقتوں کا مجموعہ

انقلاب کی مخالف طاقتوں، مغرب زدہ عناصر اور سامراجی پروپیگنڈے نے پوری دنیا کو یہ باور کرانے کی ان تھک کوشش کی ہے کہ ایران کا اسلامی انقلاب علماء کے ایک ایسے گروہ نے برپا کیا ہے جو نرے جاہل ہیں، انہیں دنیا کی کچھ معلومات نہیں۔ معاشرے کا روشن خیال طبقہ اور ترقی پسند لوگ اِس انقلاب کے حامی نہیں ہیں۔ یہ پروپیگنڈا اتنے وسیع پیمانے پر کیا گیا کہ ان کا کچھ نہ کچھ اثر بیرونی ممالک میں کام کرنے والے ایرانیوں پر بھی ہُوا جو انقلاب اسلامی کے دوست، ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ اور کبھی کبھی یوں محسوس ہُوا کہ مخالفین اپنے پروپیگنڈے سے دنیا پر یہ ثابت کرنے میں کامیابی ہورہے ہیں کہ ایران کا اسلامی انقلاب صرف ایک خاص گروہ اور طبقے میں محدود ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ اِس انقلاب کا اثر دوسری قوموں پر بھی پڑے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایران میں جو انقلاب آیا، وہ اسلام کے احیاء اور نشاۃ ثانیہ کے عزم سے آیا۔ یہی انقلابی تحریک کا منشور اور مقصد تھا۔ چونکہ یہ انقلاب اسلامی جذبے کے تحت اسلام کے نام پر برپا ہُوا، اس لیے یہ معاشرے کے ایک یا دو طبقے میں محدود نہیں تھا، بلکہ اِس انقلاب میں عوام کے سبھی طبقے شریک اور مددگار تھے۔ یونیورسٹی اور کالج کے طلبہ، مزدور، کسان، تاجر، اساتذہ اور علماء، فوجی عناصر ہوں یا بیوروکریسی کے افراد، غرض ہر طبقے کے لوگوں نے اس انقلاب میں حصہ لیا تھا۔ انقلابیوں کے بڑے بڑے نہتے جتھے، صرف احتجاجی جلوسوں اور بے مثال تاریخی مظاہروں کے ذریعے ایک ایسی حکومت کا تختہ الٹنے میں کامیاب ہوئے جس کا ایک ایک کارندہ جدید ہتھیاروں سے لیس تھا۔ 1953ء کے خونین واقعے کی ہر سال سالگرہ منائی جاتی ہے، جلوس نکالے جاتے ہیں، جوشیلی تقریریں ہوتی ہیں، لیکن اسلامی انقلاب لانے کی جو سالگرہ جس شان وشوکت اور جوش و جذبے سے منائی جاتی ہے، دوسرے مواقع کی سالگرہیں اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔

انقلاب برپا ہونے کے بعد وہ کون سی طاقتیں اور کون سے عناصر تھے جو انقلاب کے خلاف تھے:

1۔ علماء کے طبقے میں سے وہ لوگ جن کے مفادات شاہی حکومت یا سرمایہ داروں سے روابط رکھنے سے وابستہ تھے۔ اِن نام نہاد علماء نے انقلاب آنے کے بعد اس کی سخت مزاحمت کی۔

2۔ تاجروں میں سے وہ لوگ جو شاہی حکومت کے دور میں کھلم کھلا عوام کو لُوٹ رہے تھے، اور جب انقلاب کے بعد "حزبِ جمہوری اسلامی" نے ان کی لُوٹ کھسوٹ پر قدغن لگائی تو قدرتاً انہیں انقلاب کا مخالف ہونا ہی چاہیے تھا۔

3۔ سرکاری ملازم اور یونیورسٹی کے اساتذہ، جن کی رشوت خوری کی عادت، فریب دہی اور جنسی بے راہ روی، غرض تمام غیر شرعی آزادیاں انقلابی حکومت نے سلب کر لی تھیں۔

4۔ وہ دانشور جو مغرب سے فکری اور سیاسی وابستگی رکھنے کی وجہ سے انقلاب کے خلاف تھے، اور انقلاب بھی وہ جسے "اسلامی" کہا گیا۔ اِن دانشوروں کے نزدیک "اسلامی انقلاب" ماضی پرستی کے سوا کوئی چیز نہیں۔

5۔ اقلیتی طبقے کے وہ افراد جن کے مفادات کو انقلاب سے نقصان پہنچا ہے۔

اِن تمام مخالفین بلکہ دشمنوں کے باوجود کروڑوں ایرانیوں نے، جن میں غریب اور امیر سب شامل ہیں، اتفاق رائے سے ایثار اور فداکاری سے اسلامی انقلاب برپا کیا، اور انقلاب برپا ہونے کے بعد حتیٰ الامکان اِس کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ انقلاب کے ذمہ دار افراد نے مخالفین کی اصلاح کی کوشش کی، کہ وہ راہِ راست پر آجائیں، تاکہ اُن کی تعلیم، تجربے اور مہارت سے فائدہ اٹھا کر ملک کی خدمت کی جائے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بہت سے افراد صدق دلی سے تائب ہوکر انقلاب میں جذب ہوکر ملک کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔

بہر حال ایران کا اسلامی انقلاب ایک یا چند طبقوں کی محنت و کاوش اور جدوجہد کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ تمام طبقوں نے بھاری اکثریت سے اِس انقلاب میں عملی حصہ لیا ہے۔ انقلاب کے بعد بھی، آج تک سرکاری افسر، یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ، ڈاکٹر، انجینئر اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ خلوص ومحنت اور پُوری لگن سے انقلاب کے نتائج کو ثمر آور کرنے کی کوشش کررہے ہیں، اگرچہ امریکا کے پٹھو اب بھی ایران میں موجود ہیں، جو شاہ کے مصاحبین کے باقیات ہیں، جن کو امریکا ہر طرح کی مالی امداد فراہم کرتا ہے، لیکن جب بھی ایٹم بم کے مسئلے یا کسی اور مسئلے پر امریکا ایران کو دھمکی دیتا ہے تو اس کے مٹھی بھر ہمنوا بھی اکثریت کے خوف سے ایسے چپ ہو جاتے ہیں جیسے اُن کو سانپ سونگھ گیا ہو۔

کسی بھی انقلاب کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے محض عوام کی اکثریت کی غیر مشروط حمایت کافی نہیں، قیادت کا بھی مخلص ہونا ضروری ہے۔ ہماری آئندہ قسط ایرانی انقلاب کی قیادت کے لیے مخصوص ہوگی۔

(جاری ہے)

ہمیں 1948ء کا پاکستان چاہیے

مرسلہ: عبداللہ

کابینہ کا اجلاس تھا، اے ڈی سی نے پوچھا ''سر اجلاس میں چائے سرو کی جائے یا کافی؟'' چونک کر سر اٹھایا اور سخت لہجے میں فرمایا ''یہ لوگ گھروں سے چائے کافی پی کر نہیں آئیں گے'' اے ڈی سی گھبرا گیا۔ آپ نے بات جاری رکھی ''جس وزیر نے چائے کافی پینی ہو، وہ گھر سے پی کر آئے یا پھر واپس گھر جا کر پیئے۔ قوم کا پیسہ قوم کے لیے ہے وزیروں کے لیے نہیں۔'' اس حکم کے بعد جب تک وہ برسر اقتدار رہے، کابینہ کے اجلاسوں میں سادہ پانی کے سوا کچھ سرو نہ کیا گیا۔

گورنر جنرل ہاؤس کے لیے ساڑھے 38 روپے کا سامان خریدا گیا۔ آپ نے حساب منگوالیا۔ کچھ چیزیں محترمہ فاطمہ جناح نے منگوائی تھیں۔ حکم دیا ''یہ پیسے ان کے اکاؤنٹ سے کاٹے جائیں۔ تین چیزیں ان کے ذاتی استعمال کے لیے تھیں۔ فرمایا ''یہ پیسے میرے اکاؤنٹ سے لے لیے جائیں۔'' باقی چیزیں گورنر جنرل ہاؤس کے لیے تھیں، فرمایا ''ٹھیک ہے، یہ رقم سرکاری خزانے سے ادا کر دی جائے لیکن آئندہ احتیاط کی جائے۔''

برطانوی شاہ کا بھائی ڈیوک آف گلوسٹر پاکستان کے دورے پر آرہا تھا۔ برطانوی سفیر نے درخواست کی ''آپ اسے ایئر پورٹ پر خوش آمدید کہہ دیں''۔ ہنس کر کہا ''میں تیار ہوں لیکن جب میرا بھائی لندن جائے گا تو پھر برٹش کنگ کو بھی اس کے استقبال کے لیے ایئر پورٹ آنا پڑے گا۔''

ایک روز اے ڈی سی نے ایک وزیٹنگ کارڈ سامنے رکھا۔ آپ نے کارڈ پھاڑ کر پھینک دیا اور فرمایا ''اسے کہو آئندہ مجھے شکل نہ دکھائے''۔ یہ شخص آپ کا بھائی تھا اور اس کا قصور صرف اتنا تھا اس نے اپنے کارڈ پر نام کے نیچے برادر آف قائداعظم محمد جناح گورنر جنرل پاکستان'' لکھوا دیا تھا۔

زیارت میں سردی پڑ رہی تھی۔ کرنل الٰہی بخش نے نئے موزے پیش کر دیئے، دیکھے تو بہت پسند فرمائے، ریٹ پوچھا، بتایا ''دو روپے''۔ گھبرا کر بولے ''کرنل یہ تو بہت مہنگے ہیں''۔ عرض کیا ''سر یہ آپ کے اکاؤنٹ سے خریدے گئے ہیں، فرمایا ''میرا اکاؤنٹ بھی قوم کی امانت ہے۔ ایک غریب ملک کے سربراہ کو اتنا عیاش نہیں ہونا چاہیے۔ موزے لپیٹے اور کرنل الٰہی بخش کو واپس کرنے کا حکم دے دیا۔ زیارت ہی میں ایک نرس کی خدمت سے متاثر ہوئے اور اس سے پوچھا ''بیٹی! میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟'' نرس نے عرض کی ''سر! میں پنجاب سے ہوں۔ میرا سارا خاندان پنجاب میں ہے۔ میں اکیلی کوئٹہ میں نوکری کر رہی ہوں۔ آپ میری ٹرانسفر پنجاب کرا دیں''۔ اداس لہجے میں جواب دیا ''سوری بیٹی یہ محکمہ صحت کا کام ہے، گورنر جنرل کا نہیں''۔

اپنے طیارے میں رائٹنگ ٹیبل لگوانے کا آرڈر دے دیا۔ فائل وزارت خزانہ پہنچی تو وزیر خزانہ نے اجازت تو دی دی لیکن یہ نوٹ لکھ دیا ''گورنر جنرل اس قسم کے احکامات سے پہلے وزارت خزانہ سے اجازت کے پابند

> قائداعظم نے سخت لہجے میں کہا: جس وزیر نے چائے کافی پینی ہو وہ گھر سے پی کر آئے یا پھر واپس گھر جا کر پیئے۔ قوم کا پیسہ قوم کے لیے ہے، وزیروں کے لیے نہیں

ہیں''۔ آپ کو معلوم ہوا تو وزارت خزانہ سے تحریری معذرت کی اور اپنا حکم منسوخ کر دیا اور رہا پھاٹک والا قصہ تو کون نہیں جانتا۔ گل حسن نے آپ کی گاڑی گزارنے کے لیے ریلوے کا پھاٹک کھلوا دیا تھا۔ آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا، پھاٹک بند کرانے کا حکم دیا اور فرمایا ''اگر میں ہی قانون کی پابندی نہیں کروں گا تو پھر کون کرے گا؟''

یہ آج سے 60 برس پہلے کا پاکستان تھا، وہ پاکستان جس کے سربراہ محمد علی جناح تھے لیکن پھر ہم ترقی کرتے کرتے اس پاکستان میں آ گئے، جس میں پھاٹک تو ایک طرف رہے، سربراہ مملکت کے آنے سے ایک گھنٹہ پہلے سڑکوں کے تمام سگنل بند کر دیئے جاتے ہیں، دونوں اطراف ٹریفک روک دی جاتی ہے اور جب تک شاہی سواری نہیں گزرتی، ٹریفک کھلتی ہے اور نہ ہی اشارے۔ جس میں سربراہ مملکت وزارت خزانہ کی اجازت کے بغیر جلسوں میں پانچ پانچ کروڑ روپے کا اعلان کر دیتے ہیں۔ وزارت خزانہ کے انکار کے باوجود پورے پورے جہاز خرید لیے جاتے ہیں۔ جس میں صدر اور وزیراعظم کے احکامات پر سینکڑوں لوگ بھرتی کیے گئے، اتنے ہی لوگوں کے تبادلے ہوئے، اتنے لوگ نوکریوں سے نکالے گئے اور اتنے لوگوں کو ضابطے اور قانون توڑ کر ترقی دی گئی۔ جس میں موزے تو رہے ایک طرف بچوں کے پوتڑے تک سرکاری خزانے سے خریدے گئے۔ جس میں آج ایوان صدر کا ساڑھے 18 اور وزیراعظم ہاؤس کا بجٹ 20 کروڑ روپے ہے۔ جس میں ایوان اقتدار میں عملاً بھائیوں بھتیجوں، بھانجوں، بہنوں، بہنوئیوں اور خاوند کا راج رہا۔ جس میں وزیراعظم ہاؤس سے سیکرٹریوں کو فون کیا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا ''میں صاحب کا بہنوئی بول رہا ہوں''۔ جس میں امریکہ کے نائب وزیر کے استقبال کے لیے پوری پوری حکومت ایئر پورٹ پر کھڑی دکھائی دیتی ہے اور جس میں چائے اور کافی تو رہی دور، کابینہ کے اجلاس میں پورا لنچ، پورا ڈنر سرو کیا جاتا ہے اور جس میں ایوان صدر اور وزیراعظم ہاؤس کے کچن ہر سال کروڑوں روپے دھواں بنا دیتے ہیں۔ یہ پاکستان کی وہ ترقی یافتہ شکل ہے، جس میں اس وقت 16 کروڑ غریب لوگ رہ رہے ہیں۔

جب قائداعظم گورنر جنرل ہاؤس سے نکلتے تھے تو ان کے ساتھ پولیس کی صرف ایک گاڑی ہوتی تھی۔ اس گاڑی میں صرف ایک انسپکٹر ہوتا تھا، اور یہ وہ وقت تھا جب گاندھی قتل ہو چکے تھے اور قائداعظم کی جان کو سخت خطرہ تھا۔ قائداعظم اس خطرے کے باوجود سیکیورٹی کے بغیر روز کھلی ہوا میں سیر کرتے تھے، لیکن آج کے پاکستان میں سربراہ مملکت ماڈرن بلٹ پروف گاڑیوں، ماہر سیکورٹی گارڈز اور انتہائی تربیت یافتہ کمانڈوز کے بغیر دس کلومیٹر کا فاصلہ طے نہیں کر سکتے۔

ہم اس ملک میں مساوات رائج نہیں کر سکتے۔ ہم اسے ایک خوددار، باوقار اور ایماندار قیادت بھی نہیں دے سکتے، یہ نہ دیں، ہم اسے جدید، ترقی یافتہ اور پرامن ملک نہیں بنا سکتے، نہ بنائیں لیکن ہم اسے واپس 1948ء تک تو لے جا سکتے ہیں۔ ہم اسے 60 برس پرانا پاکستان تو بنا سکتے ہیں۔ کوئی ہے جو ہم سے یہ ترقی، یہ خوشحالی اور یہ عروج لے لے اور ہمیں ہمارا پسماندہ، غریب اور غیر ترقی یافتہ پاکستان واپس کر دے، جو ہمیں قائداعظم کا پاکستان واپس کر دے کہ اس ملک کے 16 کروڑ عوام کو 2008ء کے بجائے 1948ء کا پاکستان چاہیے۔

ارضِ فلسطین پر غاصبانہ صیہونی قبضے کے ساٹھ سال

فلسطین کے اصل وارث کون......عرب یا یہودی؟

ایک فکر انگیز تحقیقی جائزہ جس میں سرزمین فلسطین کے تعلق سے یہودیوں کے جھوٹے اور گمراہ کن دعووں کا مسکت جواب دیا گیا ہے

محمد انیس الرحمٰن

مئی 1948ء تا مئی 2008ء استبداد اور اغتصاب کے سیاہ ساٹھ سال۔ اسرائیل نے اسے اپنے قیام کی گولڈن جوبلی کے طور پر منایا ہے۔ یہ ایسے دور کے ساٹھ برس ہیں جب ایک فرد یا ایک قبیلے کے نہیں بلکہ ایک قوم اور ملک کے حقوق، حقوق انسانی کے عالمی علمبرداروں کی زیرنگرانی غصب کر لیے گئے۔ تمام دنیا میں بکھرے ہوئے مختلف قوموں اور نسلوں سے تعلق رکھنے والے یہودی جن کی زبانیں بھی آپس میں نہیں ملتی تھیں یہاں لاکر آباد کر دیے گئے۔ صیہونیت کے علمبرداروں نے امریکہ اور برطانیہ کی مدد سے مشرق وسطیٰ میں نفاق اور تخریب کاری کی ایسی فصل بوئی جسے فلسطین کے مظلوم عوام آج پچاس سال بعد تک کاٹ رہے ہیں۔ اسرائیل میں بسائے جانے والے یہودیوں کی بڑی تعداد سابق سوویت یونین اور مشرقی یورپ سے لاکر بسائی گئی۔ اس وقت اسرائیل کی مجموعی آبادی 59 لاکھ 40 ہزار کے قریب ہے جبکہ 15 مئی 1948ء کو ان کی تعداد 8 لاکھ 6 ہزار کے قریب تھی۔ اسرائیل کے قیام کے بعد چونکہ مختلف جہات سے یہودی یہاں لاکر آباد کیے گئے تھے، اس لیے آج تک اسرائیل ایک مربوط معاشرے کی شکل پیش نہیں کر سکا ہے، ان میں ثقافتی اور معاشرتی بُعد بدرجہ اتم موجود ہے۔ جامعہ عین شمس قاہرہ میں انگریزی ادب کے استاد اور صیہونی تاریخ کے ماہر ڈاکٹر عبدالوہاب المسیری نے یہودیوں کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے:

(1) یونانی یہودی، یہ یہودی نہ تو ثقافتی طور پر اور نہ ہی دینی سطح پر یہودیت سے میل کھاتے ہیں انہیں سیکولر یہودی کہا جاتا ہے۔

(2) مؤمن یہودی، یہ صیغہ ان یہودیوں کے ضمن میں استعمال ہوتا ہے جو کسی نہ کسی طرح یہودی مذہب پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کی بہت سی قسمیں ہیں:

(ا) آرتھوڈوکس یہودی: اس وقت اسرائیل میں یہودیوں کی بڑی تعداد اس مسلک سے تعلق رکھتی ہے، یہودیت کے معاملے میں انہیں متعصب کہا جاتا ہے۔

(ب) اصلاحی یہودی: اسرائیل میں موجود اس فکر سے تعلق رکھنے والے یہودی زیادہ تر امریکہ سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔

اسرائیل کے قیام کی دلیل وضع کرنے کے لیے گزشتہ پانچ دہائیوں میں فلسطینی تاریخ کے بارے میں سینکڑوں کتابیں معرض وجود میں آئیں۔ بہت سے یورپین مستشرقین اور خاص طور پر صیہونی علماء فلسطین کو یہودیوں کا آبائی علاقہ قرار دیتے ہیں۔ اپنی اس منطق کے تانے بانے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہودیوں کے فلسطین میں بسائے جانے کے واقعہ سے جا ملاتے ہیں اور موجودہ فلسطینی عرب مسلمانوں کو خارجی قرار دیتے ہیں، مگر آج تک یہودی فلسطین کے بارے میں عربوں کی نسبت اپنے وجود کا تقدم ثابت نہیں کر سکے ہیں۔ 1948ء کے بعد سے اب تک اسرائیلیوں کی جانب سے فلسطینیوں کے بھیانک قتل عام کے پس منظر میں یہی فکر کارفرما رہی ہے کہ عربوں نے یہودیوں کو ان کی آبائی سرزمین سے بے دخل کر دیا تھا مگر یہودیوں کے نزدیک آبائیت کا یہ نظریہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ عربوں کا تاریخ کے اس حساس ترین علاقے سے تعلق نہیں ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بنی اسرائیل کا وجود روئے زمین پر موجود نہیں تھا تو کون سی قوم فلسطین میں آباد تھی؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے ہمیں تاریخ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

محل وقوع

فلسطین براعظم ایشیا میں مغرب کی جانب مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے درمیان واقع ہے۔ جس کا موجودہ رقبہ 27009 کلومیٹر ہے، لیکن قدیم زمانے میں فلسطین کی حدود کافی وسیع تھیں۔

فلسطین کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ لیکن زیادہ تر مؤرخین نے اسے بحیرۂ روم میں واقع "جزیرہ کریٹ" کے لوگوں پر موسوم کیا ہے جو "پلستین" کہلاتے تھے اور فلسطین کے جنوب مغربی ساحل پر بس گئے تھے۔ یہ علاقہ "یافا" اور "غزہ" کے درمیان واقع تھا۔ بعد میں عربوں نے "پلستین" کو فلسطین سے موسوم کر دیا، لیکن مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ اس سرزمین کو سب سے پہلے "ارضِ کنعان" کے نام سے منسوب کیا گیا۔

تورات کی حقیقت

فلسطین سے متعلق قدیم ترین تاریخی مصادر میں تورات کو خاص مقام حاصل ہے۔ اس کے علاوہ بابل، اشور اور فراعنہ کے آثار میں فلسطین سے متعلق تھوڑا بہت ذکر ملتا ہے لیکن یہ کافی نہیں ہے۔ تورات کے ضمن میں ایک مشکل یہ ہے کہ یہ بڑی حد تک تحریف شدہ ہے جبکہ یہودی دعویٰ کرتے ہیں کہ موجودہ تورات وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی۔ انہی میں سے ایک طبقہ اس بات کا بھی معترف ہے کہ موجودہ تورات اصل سے ایک لفظ بھی مطابقت نہیں رکھتی بلکہ اصل تورات بخت نصر کے حملے کے دوران جلا دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ یہودیوں کے ایک اور فرقے (سامرین) کا دعویٰ ہے کہ اصل تورات ان کے پاس ہے۔ یہ لوگ نابلس کے پہاڑوں میں سکونت رکھتے ہیں۔ دعوے کچھ بھی ہوں لیکن علماءِ ادیان اس بات پر متفق ہیں کہ موجودہ تورات بابل میں یہودیوں کی اسیری کے دوران لکھی گئی۔ اس لیے فلسطین کے معاملے میں تورات پر زیادہ اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک یہودی عالم (سیلفر) خود اس بات کا معترف ہے کہ موجودہ تورات وہ نہیں ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اتری تھی۔

اوّلین آبادکار

فلسطین کے نام اور اس کے محل وقوع کے بارے میں اختلاف کے باوجود مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ فلسطین میں بسنے والے آبادکار سامی النسل تھے اور ان کا تعلق جزیرۃ العرب سے تھا۔ یہ عرب بادیہ قبائل سب سے پہلے شام اور عراق کے درمیانی علاقے میں منتقل ہوتے چلے گئے۔ تاریخ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ یہ قبائل وہاں کب منتقل ہوئے۔ مؤرخین کے مطابق یہ ہجرت 3000 ق م سے 4000 ق م کے درمیان عمل میں آئی۔

کنعان

قبیلہ کنعان سامی نسل سے تعلق رکھتا تھا جو عرب تھے۔ انہوں نے اپنے قیام سے 1000 ق م تک فلسطین میں بڑے بڑے شہر اور قصبے آباد کر لیے تھے۔ اس بات کی شہادت خود تورات میں مذکور ہے کہ ان ہی آبادکاروں کی وجہ سے یہ سرزمین ارضِ کنعان کہلائی۔ کنعانی جزیرۃ العرب کی عرب "بائدہ قوم" سے تعلق رکھتے تھے۔ جن کا ذکر حضرت ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کے ضمن میں قرآن کریم میں آچکا ہے۔

قبیلہ کنعان فلسطین آنے کے بعد کہیں اور منتقل نہیں ہوا بلکہ یہاں انہوں نے تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی۔ ان کے تعمیر کردہ عظیم الشان شہر آج بھی ان کی عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ کنعانیوں نے "یبوس" کے نام سے ایک شہر بسایا تھا جو اس قبیلے کی ایک شاخ تھی۔ بعد میں یہ شہر القدس کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے شہر بسائے گئے جن کے نام شمرون (الخلیل) میریو (اریحا) بیت شان (بیسان) راجون (غزہ) شکیم (نابلس) اور مکو (عکا) ہیں۔

ثمود

یہ بھی عرب بائدہ تھے جو الحجر کے علاقے میں وادی القریٰ میں مقیم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ قوم ثمود کی تباہی کے بعد حضرت صالحؑ اور وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے تھے اپنے اموال سمیت شام کی طرف سے فلسطین کے موضع "رملہ" میں مقیم ہو گئے اور اپنی موت تک وہیں مقیم رہے۔

عمالقہ

عمالقہ اور کنعانی نسب کے لحاظ سے ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھنے والے تھے کیونکہ ان کا جدامجد "عملیق" ایک ہی تھا جو مکہ مکرمہ کے مضافات کا رہنے والا تھا بعد میں قبیلہ جزیرۃ العرب عراق، شام اور مصر میں منتشر ہو گیا۔ فلسطین میں یہ لوگ الخلیل میں سکونت رکھتے تھے۔ اس قبیلے کے لوگ جسیم اور طاقتور تھے۔ عمالقہ اور کنعانی لوگوں کی یہی جسامت دیکھ کر یہودی بھاگ نکلے تھے اور قرآن کریم کے مطابق انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: (ترجمہ) "اے موسیٰ یہاں تو بڑی طاقتور قوم ہے" اسی وجہ سے وہ ان سے جنگ کرنے سے کتراتے رہے اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا: "(ترجمہ) اے موسیٰ تم اور تمہارا رب ان سے جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں"۔

قبیلہ مدین

قبیلہ مدین کا علاقہ غزہ سے ملحق تھا۔ اصحاب مدین کا ذریعہ معاش تجارت تھا اور ان کے تجارتی روابط شام مصر اور فلسطین کے دوسرے علاقوں سے قائم تھے۔ 1600 ق م میں اسی قبیلے کے ایک تجارتی قافلے نے حضرت یوسفؑ کو اس کنوئیں سے نکالا تھا جہاں ان کے بھائی انہیں پھینک گئے تھے۔ قبیلہ مدین نے اپنے علاقے کو وسعت دینے کے لیے کئی لڑائیاں لڑیں۔ ان میں سے ایک جماعت "مرج بنی عامر" نے فلسطین میں مصر سے گھسنے والے کئی یہودی قبائل کو باہر نکالا۔ لیکن بعد میں یہودیوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اس علاقے میں آتی گئیں اور کئی صدیوں تک وہاں قیام کیا۔ مشہور مؤرخ "المقریزی" اپنی کتاب "خطط" میں ذکر کرتے ہیں کہ قبیلہ مدین نے کئی شہر آباد کیے تھے جن میں کئی ان کی آپس میں خانہ جنگی میں تباہ ہو گئے اور کچھ 525 ہجری تک موجود رہے۔ فلسطین میں ان کے دس شہر تھے۔ ان میں سے الخلصہ، الصوباح، بیر السبع اور مسطہ کافی مشہور تھے۔

قبیلہ نبطی

عربوں کی اس قوم نے 300 ق م میں فلسطین کو فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا۔ مملکت نبطیہ مشرقی و جنوبی فلسطین و مشرقی اردن اور شام کے کچھ علاقوں پر مشتمل تھی۔ اس کا دارالحکومت اردن میں واقع پیٹرا کا قدیم شہر تھا۔ نبطی بھی عربی النسل تھے جس کی دلیل میں محققین ان کے دریافت شدہ کتبے پیش کرتے ہیں جو عربی زبان میں ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے مشہور علماء کے نام بھی عربی ناموں پر ہیں جبکہ ان کے بتوں کے نام (ذوالشریٰ، السلات، العزیٰ، ماۃ و ہبل) بھی قدیم عرب سے تعلق رکھتے تھے۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ نبطی جنوبی جزیرۃ العرب سے حجاز میں آ کر مقیم ہو گئے تھے جبکہ بعض مؤرخین کے مطابق وہ اصل حجازی ہیں۔

عبرانی

عبرانیوں (بنی اسرائیل) کے متعلق مؤرخین کی رائے ہے کہ اصل میں یہ سامی النسل اور جزیرۃ العرب سے اپنے گھوڑوں اور مویشیوں کے ساتھ فلسطین میں وارد ہوئے۔ یہ بدوی زندگی کے عادی تھے اسی لیے انہوں نے فلسطین میں کسی تہذیب و تمدن کا نشان نہیں چھوڑا۔ تاریخ اس بات پر خاموش ہے کہ یہ لوگ بڑی تعداد میں کب اور کیسے مصر میں داخل ہوئے لیکن بعد کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے فراعنہ کے زیر تسلط کئی صدیوں تک قیام کیا یہاں تک کہ ان میں اور مصریوں میں فرق کرنا مشکل ہو گیا۔ پھر موسیٰؑ نے انہیں مصر کی غلامی سے نکال کر فلسطین کی طرف ہجرت کرائی۔

عبرانیوں کا ارضِ کنعان (فلسطین) پر پہلا حملہ 1250 ق م کے قریب ہوا جہاں انہوں نے ایک قدیم تہذیب اور طاقتور قوم کا سامنا کیا۔ کنعانی تہذیب عبرانیوں کے ظہور سے 1500 سال پہلے پروان چڑھی تھی۔ کنعانیوں کے بڑے بڑے قلعے اور عظیم شہر عبرانیوں کے لیے ناقابل تسخیر تھے لیکن پھر بھی چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ کنعانی طرز زندگی کا عبرانیوں پر بڑا اثر پڑا اور وہ صحرائی زندگی سے نکل کر شہری زندگی کی طرف مائل ہونے لگے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کنعانیوں پر ضعف طاری ہو گیا اور عبرانی ان پر چھا گئے۔ کچھ عرصے بعد ان میں حضرت داؤدؑ اور ان کے بیٹے سلیمانؑ کا ظہور ہوا۔ حضرت داؤدؑ نے عبرانیوں کے لیے ایک طاقتور مملکت کی بنیاد رکھی۔ اس وقت تک یہ مملکت یہودیت کے نام سے موسوم نہیں ہوئی تھی۔

حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد یہ عظیم الشان مملکت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ جنوب کی طرف وجود میں آنے والی حکومت اس کے بادشاہ "یہودا" کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس کا دارالحکومت "شکیم" تھا جبکہ دوسری حکومت سامرہ کے نام سے جانی جاتی تھی۔ یہ حکومت شمال میں واقع تھی۔ اس کا دارالحکومت "سامرۃ" موجودہ نابلس کے قریب واقع تھا۔ ان دونوں کے درمیان بھی جنگیں ہوتی رہیں لیکن آخر میں یہودا سامرہ پر غالب آ گئے۔

اشوری حملہ

عراق اور مصر زمانہ قدیم سے ہی تہذیب و تمدن کے مرکز رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان میں آپس میں رنجشیں بھی تھیں۔ عراق میں اشوریوں کی حکومت تھی۔ اشوریوں نے مشرق کی جانب سے مصر کے زیر قبضہ علاقوں پر حملے شروع کر دیے۔ فلسطین میں عبرانیوں (حکومت یہودا) نے مصریوں کا ساتھ دینے کا ارادہ کیا جس کے جواب میں اشوریوں نے اپنے بادشاہ "سنحاریب" کی قیادت میں القدس کا محاصرہ کیا اور تھوڑے عرصے بعد اسے فتح کر کے عبرانیوں پر بڑا بھاری جرمانہ لگایا۔

عہد کلدانی

اشوریوں کے بعد عراق میں کلدانی حکومت غالب آ گئی۔ حسب سابق ان کے بھی مصر کے ساتھ تعلقات کشیدہ رہے جس کی وجہ سے انہوں نے مصریوں کے خلاف محاذ بنائے۔ لیکن عبرانیوں نے پھر مزاحمت کی کیونکہ ان کے مذہبی عقائد مصریوں کے عقائد سے کافی مشابہت رکھتے تھے۔ اس مزاحمت کے نتیجے میں کلدانیوں نے "بخت نصر" کی قیادت میں 568 ق م میں یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ شہر کو اجاڑ کر اس کی فصیل اور حضرت سلیمانؑ کا ہیکل زمین بوس کر دیا گیا جبکہ تورات کی تختیاں دوسرے مذہبی نوادر کے ساتھ جلادی گئیں۔ جاتے ہوئے بخت نصر ستر ہزار بنی اسرائیلی بھی غلام بنا کر لے گیا۔

عہد فارس

عبرانیوں (بنی اسرائیل) کی اسیری کے زمانے کے ستر سال بعد فارسی کلدانیوں پر غالب آ گئے۔ انہوں نے "خورس" (جسے قرآن کریم میں ذوالقرنین کے نام سے پکارا گیا ہے) کی قیادت میں بابل کو فتح کیا جس کی وجہ سے بنی اسرائیل کو اسیری سے نجات ملی۔ خورس کی حکومت مشرق سے مغرب تک واقع تھی جس میں مصر بھی آتا تھا۔ فارسی دور میں بنی اسرائیل کو اجازت تھی کہ وہ جہاں چاہیں آباد ہو سکتے ہیں۔ خورس نے انہیں فلسطین جانے اور شہروں کو دوبارہ آباد کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ عہد فارس بنی اسرائیل کے لیے امن و چین کا دور کہلاتا ہے۔

عہد یونان

ایرانیوں (فارسی) اور یونانیوں میں ایک عرصے سے جنگیں جاری تھیں۔ آخر سکندر اعظم کے زمانے میں یونانی ایرانیوں پر غالب آ گئے اور ان کا عظیم بادشاہ "دارا" سکندر کے مقابلے سے فرار ہو گیا۔ بعد میں اسے اس کے کچھ سپاہیوں نے قتل کر دیا۔ یونانیوں کی فتح کے بعد فلسطین کا سارا علاقہ خود بخود یونانی تسلط میں آ گیا۔ سکندر اعظم کی موت کے بعد فلسطین اور مصر کا کچھ علاقہ اس کے جنرل بطلیموس کے حصے میں آیا۔ اس کے زمانے میں جب یہودیوں نے دوبارہ سر اٹھایا تو اس نے اس کی سرکوبی کرتے ہوئے انہیں ملک میں منتشر کر دیا۔ یہ واقعہ 320 ق م کا ہے۔

عہد روم

رومی حکومت 63 ق م میں یونان کی حکومت ختم کرنے میں کامیاب ہو گئی اور ان کے تمام علاقے رومی مقبوضات قرار پائے جن میں شام، فلسطین اور القدس کا شہر بھی شامل تھا۔ رومیوں نے قبضے کے بعد یروشلم کو زمین بوس کر دیا۔ یہودیوں کے گھر تباہ کر دیے گئے اور ان سے سختی سے نمٹا گیا۔ ہیرودوس

نامی گورنر مملکت روم کی طرف سے ان پر مقرر کیا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل میں انبیاء کا سلسلہ جاری رہا۔ جس کی وجہ سے ان کی معاشرتی حالت سنبھلی ہوئی تھی۔ اس دوران اپنے شہر اور ہیکل دوبارہ تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس ہیرودوس کے زمانے میں عیسیٰؑ کا ظہور ہوا۔

عہد مسیحی

قیصر روم "قسطنطین" کے دین مسیح قبول کر لینے کے بعد یروشلم (القدس) کو خاص اہمیت حاصل ہو گئی۔ اس کے حکم سے قبر مقدس پر ایک عظیم کلیسا تعمیر کیا گیا۔ اس کے علاوہ یہاں مسیحی خانقاہیں بھی تعمیر کی گئیں؛ جس کے بعد اس شہر میں مختلف مقامات سے لوگ زیارت کی غرض سے آنے لگے۔ اس طرح فلسطین کی مذہبی اہمیت میں عیسائیوں نے بھی عمل دخل شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ وہ اس علاقائی سیاست پر بھی چھانے کی کوشش کرنے لگے۔

عہد اسلامی

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد میں 15-16 ہجری بمطابق 636ء کو فلسطین فتح ہوا۔ اس فتح کے بعد فلسطین میں آباد لوگوں کو اسلام کے متعلق زیادہ مشاہدے کا موقع ملا اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ 636ء سے 1917ء کے اعلان بالفور تک مسلمان اس علاقے پر حکمران رہے۔ صلیبی جنگوں کی وجہ سے تھوڑا عرصہ یہ علاقہ خصوصاً القدس مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا تھا لیکن غازی صلاح الدین 1187ء میں اسے پھر فتح کر لیا۔ مسجد اقصیٰ کی وجہ سے القدس شہر مسلمانوں کے لیے بڑی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ کیونکہ ان کا قبلہ اوّل بھی یہیں واقع تھا۔ اس شہر کی حدود کے بارے میں مجیر الدین الحنبلی لکھتے ہیں کہ اس کی حدود الخلیل سے مشرق میں دریائے اردن تک جبکہ شمال میں نابلس سے مغرب میں غزہ کے علاقے تک ہیں۔

صہیونیت اور مملکت اسرائیل

یہودی اعلان بالفور 1917ء سے پہلے مختلف ممالک میں منتشر تھے۔ مشرقی یورپ یہودیوں کے گڑھ کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ جہاں پر مقیم یہودیوں نے سرمایہ دارانہ نظام کے ذریعے یہاں کی سیاست میں عمل دخل قائم کر لیا تھا۔ پر تعیش زندگی گزارنے کے باوجود ان میں اس قسم کے خیالات پروان چڑھ رہے تھے کہ تورات کی پیشین گوئیوں کے مطابق یہودیوں کا فلسطین میں الگ وطن ہوگا۔ یہودیوں میں یہ خواہش اس وقت بھی تھی جب وہ بابل میں اسیری کے دن گزار رہے تھے۔ یہی خواہش روس اور مشرقی یورپ میں مقیم یہودیوں میں دوبارہ انگڑائی لینے لگی۔ زار روس کے زمانے میں وہاں اس قسم کی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کی اجازت نہیں تھی، اس لیے یہودیوں نے سوئٹزرلینڈ کو اس قسم کی سرگرمیوں کا مرکز بنا دیا۔

یہودیوں کا پہلا اجتماع

تھیوڈور ہرتزل کی قیادت میں سب سے پہلے یہودیوں کا خفیہ اجتماع 1897ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر "بازل" میں منعقد ہوا جہاں اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ فلسطین میں کسی اور سے زیادہ حکومت کرنے کا حق ان کو حاصل ہے اور انہیں داؤدؑ و سلیمانؑ کی قائم کردہ سلطنت کو دوبارہ بحال کرنا اور یروشلم میں سلیمانؑ کے ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنا ہے۔ اس اجتماع میں "صہیونی تحریک" کی بنیاد رکھی گئی اور تمام دنیا میں منتشر یہودیوں سے رابطے کا پروگرام وضع کیا گیا جبکہ رابطے کے لیے عبرانی زبان کا انتخاب کیا گیا جو ان کی مذہبی زبان تھی۔ بازل میں یہودیوں کی اس پہلی کانفرنس میں "صہیونی پروٹوکول" کے نام سے ایک ضابطہ تحریر بھی پیش کی گئی جس میں دنیا کی دوسری اقوام میں تفرقہ ڈال کر مقاصد حاصل کرنے کے طریقے درج تھے۔ اس کانفرنس کے دوران صہیونیوں نے چھ کونوں والے ستارہ داؤدؑ کو اپنا پرچم منتخب کیا۔

یہودی ہمیشہ سے اس بات کا دعویٰ کرتے رہے ہیں کہ موجودہ فلسطینی مسلمان وہ ہیں جو اسلامی عہد کے دوران فلسطین میں بس گئے تھے، حالانکہ یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ عرب اس وقت سے اس سرزمین کے وارث ہیں جب عبرانیوں کا وجود بھی کرۂ ارض پر نہیں پایا جاتا تھا۔ نہ تو انہوں نے یہاں کوئی شہر بسایا اور نہ ہی یروشلم (القدس) سے ان کا تاریخی رشتہ اساسی طور پر ثابت ہے بلکہ مورخین کے مطابق اشوریوں نے جب سب سے پہلے اپنے بادشاہ (ترام سین) کی قیادت میں 3800 ق م میں فلسطین پر حملہ کیا تو اس وقت جس قوم نے وہاں زبردست مزاحمت کی وہ عربی بولنے والے کنعانی قبائل تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صہیونیوں کا فلسطین پر اساسی دعویٰ سراسر سفید جھوٹ ہے۔

یہودیوں کی سازش

بازل کی صہیونی کانفرنس کے بعد یہودیوں نے اپنی دعوت کا مرکز دنیا میں موجودہ بااثر یہودیوں کو بنا لیا تاکہ انہیں اس بات پر قائل کیا جا سکے کہ وہ اس تحریک کے لیے بھاری عطیات مہیا کریں اور فلسطین میں بسنے کی کوشش کریں تاکہ وہاں یہودیوں کی آبادی کو تیزی سے بڑھایا جا سکے۔ یورپ کے کئی بڑے ممالک خاص طور پر برطانیہ کینیا کو بطور وطن یہودیوں کو دینے کی پیشکش کر چکا تھا لیکن یہودیوں کی تحریک کا مقصد فلسطین کو وطن بنانا تھا۔ اس دوران دنیا بھر سے یہودی سمٹ کر فلسطین آنا شروع ہو گئے۔ جہاں انہوں نے عربوں سے مہنگے داموں ان کے گھر اور اراضی خریدنا شروع کی۔ اس طرح کسی نہ کسی حد تک وہاں پیر جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی اثناء میں 1914ء میں پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہو گیا۔ جرمنی اور ترکی کی شکست کی وجہ سے تمام عرب علاقے اتحادیوں کے قبضے میں آ گئے اور فلسطین پر برطانیہ کا تسلط قائم ہو گیا۔ برطانیہ کے قبضے کے بعد یہودیوں کو فلسطین حاصل کرنے کی قوی امید ہو گئی۔ آخر کار اعلان بالفور 1917ء کے ذریعے یہاں پر جانبداری سے یہودیوں کا حق تسلیم کر لیا گیا۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے دوران یہودی برطانیہ کی نگرانی میں فلسطین بسائے جاتے رہے اور پھر دوسری جنگ عظیم 1939ء تا 1945ء کے اختتام کے تین سال بعد 1948ء میں اسرائیل کی ناجائز حکومت فلسطین پر مسلط کر دی گئی۔ اسرائیل کے قیام کے بعد تو جیسے یہودیوں کا طوفان امڈ آیا۔ زیادہ تر یہودی مشرقی یورپ سے یہاں منتقل ہوئے۔ وائزمین جو کہ صہیونی تھا اسرائیل کا پہلا صدر بنا اور بن گوریان کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ آس پاس کی مسلمان عرب ریاستیں فوجی لحاظ سے زیادہ طاقتور نہ تھیں جس کی وجہ سے عیسائی اور یہودی مل کر فلسطین کے مسلمانوں کو پرے دھکیلتے رہے اور آج بھی یہ سلسلہ اقوام متحدہ کی ناک تلے جاری ہے۔ (بشکریہ ندائے ملت)

ارضِ فلسطین میں ناجائز اسرائیلی ریاست کی عہد بہ عہد توسیع اور فلسطینی مسلمانوں کے سکڑاؤ کی ایک جھلک

حلقہ گوجرانوالہ میں دوروزہ تربیت گاہ

تنظیم اسلامی گوجرانوالہ کے زیر اہتمام 26 اپریل بعد از نماز مغرب تا 27 اپریل 2008ء قبل از ظہر تربیت گاہ کا انعقاد مسجد ثمرہ گوجرانوالہ (مرکز) میں ہوا، جس میں حلقہ گوجرانوالہ کے تمام رفقاء کی شرکت کو لازمی قرار دیا گیا تھا۔ نماز کے بعد جناب مختار حسین فاروقی نے سورۃ النور کے آخری رکوع کی آیات کے حوالے درس دیا۔ اس کے بعد نعیم صفدر بھٹہ نے ”نقیب اسرہ کی ذمہ داریاں اور مشکلات“ کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ بعدازاں نعیم اشرف نے بھی اسی موضوع پر گفتگو کی۔

نماز عشاء اور کھانے کے بعد اسرہ نارووال کے نقیب نے ”نفاق“ کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ انہوں نے کہا کہ نفاق کا بنیادی سبب ایمان کی کمزوری ہے، اور اسی وجہ سے یہ سوچ عام ہے کہ دین کا کام تو فارغ لوگوں کا ہے۔ دنیا میں اتنے کام ہیں کہ ہر شخص کے لیے دین کی خاطر وقت نکالنا مشکل ہے۔ انہوں نے ایک اسلامی نظم جماعت میں اطاعت کا تصور بھی واضح کیا۔ انہوں نے کہا کہ نظم بالا کی حکم عدولی کو معمولی نہ سمجھا جائے، یہ نفاق کی ایک علامت بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح ایک دینی جماعت کا کارکن ہوتے ہوئے بھی ہم سخت خسارے کا سودا کر سکتے ہیں۔ آخر میں خادم حسین نے تہجد کی اہمیت بیان کی اور سونے سے پہلے نبی پاک ﷺ کے مبارک اعمال کا ذکر کیا۔ اس کے بعد آرام کا وقفہ ہوا۔ اگلے روز صبح ساڑھے تین بجے رفقاء تہجد کے لیے بیدار ہوئے۔ نماز فجر کے بعد محمد افضل نے درسِ قرآن دیا۔ درس کے بعد ناشتے کا اہتمام تھا۔ بعدازاں شاہد رضا نے حلقہ گوجرانوالہ مرکز کی مالیاتی رپورٹ پیش کی اور انفاق کی اہمیت کو اجاگر کیا اور رفقاء کو اس کی ترغیب دلائی۔ جنید نذیر نے منہج انقلاب نبوی ﷺ پر روشنی ڈالی۔

دعوتی تحریک اور اس کا طریقہ کار کے موضوع پر مختلف اسروں اور تنظیم کے رفقاء نے گفتگو کی۔ جن میں ڈاکٹر شفیق بیگ (نارووال)، خورشید نبی نور (گوجرانوالہ) فیصل وحید شیخ (سیالکوٹ) شامل ہیں۔ دن ساڑھے گیارہ بجے اس مجلس کا اختتام ہو گیا۔ جس کے بعد تمام رفقاء گوجرانوالہ جی، ٹی روڈ پر جمع ہوئے اور منکرات کے خلاف ایک پر امن مظاہرہ کیا جو لگ بھگ ایک گھنٹہ جاری رہا۔ مظاہرہ میں اس بات کا خصوصی خیال رکھا گیا کہ ٹریفک جام نہ ہو اور عام لوگوں کے لیے کوئی مشکل پیدا نہ ہونے دی جائے۔ الحمدللہ، اس مقصد میں کامیابی بھی ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی اس دوروزہ نشست کا اختتام ہو گیا۔ (رپورٹ: اعجاز عنصر سیالکوٹ)

تنظیم اسلامی نارتھ ناظم آباد کراچی کے زیر اہتمام شب بیداری

18 مئی کو تنظیم اسلامی نارتھ ناظم آباد کی ماہانہ شب بیداری مقامی دفتر تنظیم میں منعقد ہوئی۔ اس ماہ مرکزی موضوع ”نظم جماعت میں سمع وطاعت کی اہمیت“ تھا۔ پروگرام کا آغاز رات ساڑھے نو بجے ہوا۔ سب سے پہلے بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب بعنوان ”حزب اللہ کے اوصاف“ بذریعہ ملٹی میڈیا دکھایا گیا۔ اس کے بعد نوید مزمل نے محفل کے آداب کے حوالہ سے مختصر گفتگو کی اور رات کو سونے سے پہلے کی سنتوں کی یاد دہانی کروائی۔ رات کی نشست کا اختتام 11 بجے ہوا۔ ساڑھے تین بجے رفقاء کو تہجد کے لیے بیدار کیا گیا۔ نوافل ادا کرنے کے بعد فواد علی پاشا نے سیرت صحابہؓ کے ضمن میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی زندگی کے ایمان افروز واقعات کا تذکرہ کیا۔ محمد شاہد نے حدیث رسول ﷺ کا مطالعہ کرایا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ معروف کے دائرے میں امیر جماعت کا حکم ماننا ہم پر لازم ہے۔ انہوں نے حدیث کا حوالہ بھی دیا کہ ”جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے گویا میری اطاعت کی“۔ نماز فجر کے بعد بھائی طٰہٰ غیاث نے درس قرآن دیا۔ انہوں نے سورۃ النور کے آخری رکوع کے حوالے سے رخصت حاصل کرنے کے صحیح طریقہ کار، اور سورۃ الحجرات کی آیات کی روشنی میں مومنانہ کردار کی وضاحت کی۔ سید کاشف علی نے نظم جماعت میں سمع وطاعت کی اہمیت کے موضوع پر تذکیری گفتگو کی۔ انہوں نے رفقاء کو تلقین کی کہ وہ خود کو نظم کا خوگر بنائیں اور ہر اجتماع میں اپنی حاضری کو یقینی بنانے کی شعوری کوشش کریں۔ ناشتہ کے بعد اظہر ریاض نے ”جہاد فی سبیل اللہ“ کے موضوع پر مذاکرہ کروایا۔ انہوں نے جہاد کے ضمن میں مغالطے، جہاد کی فرضیت، اس کی اہمیت ولزوم اور جہاد کی مختلف اقسام پر مفصل گفتگو کی۔ انہوں نے جہاد وقتال کا فرق بھی واضح کیا اور جہاد کی بلند ترین منزل یعنی اقامت دین کی جدوجہد کے مراحل صبر محض، اقدام اور مسلح تصادم پر بھی روشنی ڈالی۔ مقامی ناظم دعوت احتشام حسین نے داعی الی اللہ کی خصوصیات کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا دعوت کے نتیجہ خیز ہونے میں داعی کا کردار اور عمل خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے بعد نوید مزمل نے رفقاء کی دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ لیا اور ان کو درپیش مسائل معلوم کیے اور ان کی تجاویز نوٹ کیں۔ اس ماہ رفقاء کے سامنے دعوتی سرگرمیوں کے تفصیل بیان کرنے کی ذمہ داری راقم کو دی گئی۔ آخر میں مقامی امیر اظہار ریاض نے اگلے پروگراموں کی اطلاع دی اور چند دوسرے اعلانات کیے۔ محفل کا اختتام مسنون دعا پر ہوا۔ اس شب بیداری کی میزبانی اسرہ ”سعد بن ابی وقاصؓ“ نے کی۔ اس پروگرام میں مجموعی طور پر 26 رفقاء نے شرکت کی، جس میں 14 ملتزم اور 12 مبتدی تھے۔ (رپورٹ: فیض پاشا)

تنظیم اسلامی بہاولپور کے زیر اہتمام ماہانہ تنظیمی وتربیتی اجتماع

تنظیم اسلامی بہاولپور کے زیر اہتمام ہر ماہ کے آخری اتوار کو تنظیمی وتربیتی اجتماع منعقد ہوتا ہے، جس میں امیر حلقہ محترم منیر احمد (ہارون آباد سے) خصوصی طور پر شرکت فرماتے ہیں۔ 25 مئی کو یہ اجتماع صبح نو بجے تنظیم کے مرکز مدینہ ٹاؤن میں ہوا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، جس کی سعادت اُسرہ عبادہؓ بن صامت کے مبتدی رفیق قاری اللہ بخش نے حاصل کی۔ میجر ڈاکٹر محمد انور خان نے درس حدیث دیا۔ میجر صاحب اُسرہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نقیب ہیں اور تنظیم اسلامی بہاولپور کے ناظم دعوت کی ذمہ داری بھی انہی کے سپرد ہے۔ میجر صاحب نے درس حدیث میں قرآنِ مجید کی عظمت کو واضح کیا اور حاضرین کو رسول اکرم ﷺ کا اسوہ اختیار کرنے کی تلقین کی۔ درس حدیث کے بعد پروفیسر محمد رمضان ظاہر نے کلام اقبال کی روشنی میں مردمومن کا تصور پیش کیا۔ تنظیم اسلامی بہاولپور کے اجتماع میں یہ ایک منفرد تجربہ تھا کہ کلام اقبال کی تشریح پیش کی گئی۔ رفقاء نے اُن کی تقریر کو پسند کیا اور یہ سلسلہ جاری رکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ بعدازاں ملتزم رفیق اور اُسرہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے نقیب محمد رفیق نے ”قرآنِ مجید سے اُمت کی بے اعتنائی“ کے موضوع پر پُر مغز گفتگو کی۔ اس کے بعد رفقاء اور احباب نے اپنا تعارف کرایا۔ اس کے ساتھ ہی اجتماع کا پہلا حصہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ دس منٹ کے وقفے کے بعد اجتماع کے دوسرے اور آخری حصے کا آغاز امیر حلقہ منیر احمد کے درس قرآن سے ہوا۔ اُنہوں نے سورۃ حٰم السجدۃ کے چوتھے رکوع کا درس دیا۔ سوا گھنٹے پر محیط یہ درس، حاضرین نے ہمہ تن گوش ہو کر سنا۔ امیر حلقہ کے درس بعد حال ہی میں مبتدی تربیت گاہ میں شرکت کرنے والے رفیق ارسلان خالد نے اپنے تاثرات بیان کیے اور رفقاء کو تربیت بیت گاہ میں شرکت کی ترغیب دلائی۔ انہوں نے رفقاء پر واضح کیا کہ اگر تنظیم کی فکر کو اچھی طرح سمجھنا ہے تو تربیت گاہوں میں شرکت ناگزیر ہے۔ آخر میں مقامی امیر تنظیم پروفیسر غلام حیدر مکھرانہ نے تذکیری گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ دین کی دعوت کا کام احسن طریقے سے تب ہو گا جب ہم اپنے کردار وعمل کو بطور ثبوت پیش کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں عاجزی وانکساری اختیار کرنی چاہیے، نیز لوگوں کو دین کی طرف بلانے کے لیے مقدور بھر کوشش کرنی چاہیے۔ امیر حلقہ کی دعا پر یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس اجتماع میں 42 رفقاء اور 5 احباب نے شرکت کی۔ (مرتب: رفیق تنظیم)

ترکی بھی سیاسی غیر یقینی کا شکار

معاشی ترقی کے لیے ایک ملک میں امن و امان قائم رہنا اور سیاسی حالات ٹھیک رہنے بہت ضروری ہے۔ اب بھی دیکھیے کہ پچھلے دو تین ماہ سے پاکستان غیر یقینی سیاسی صورت حال میں مبتلا ہے، لہٰذا قومی سٹاک ایکسچینجوں میں کاروبار بری طرح متاثر ہوا۔ سیاست دانوں کی ایک بھی غلط چال اس بحران کو نہ صرف سنگین بلکہ ملک و قوم کا مستقبل داؤ پر لگا دیتی ہے۔

ترکی بھی پچھلے پانچ ماہ سے سیاسی طور پر غیر یقینی حالات کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ صورت حال تب بگڑی جب آئینی عدالت کے پراسیکیوٹر نے فیصلہ کیا کہ سیکولر آئین سے چھیڑ چھاڑ کرنے پر حکمران پارٹی پر مقدمہ کھڑا کر دیا جائے۔ مگر اس فیصلے نے خصوصاً غیر ملکی سرمایہ کاروں کو مجبور کر دیا کہ وہ اب ترکی میں اپنی رقم نہ لگائیں۔ انھیں خطرہ ہے کہ ان کی رقم ڈوب جائے گی۔

ترک وزیر اعظم طیب اردگان کا کہنا ہے کہ سیکولر قوتوں کی ضد اور ہٹ دھرمی نے ترکی میں معاشی ترقی روک دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سرکاری پالیسیوں کے باعث ملکی و غیر ملکی سرمایہ کار بڑھ چڑھ کر سرمایہ کاری کر رہے تھے لیکن اب انھیں ترکی لانے کے لیے ان کی منتیں کرنی پڑ رہی ہیں۔ اس لیے سال 2008ء میں 25 ارب ڈالر کے بجائے اب ترکی میں 13 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری ہوگی۔

بنگلہ دیش: ایک پُر امن ملک

مغرب کا ایک آزاد تھنک ٹینک گلوبل پیس انڈکس ہر سال اس اعتبار سے دنیا کے ممالک کی درجہ بندی کرتا ہے کہ کس ملک میں امن و امان رہا اور کہاں زیادہ ہنگامے ہوئے۔ تھنک ٹینک کی تازہ رپورٹ کے مطابق بنگلہ دیش جنوبی ایشیا میں سب سے زیادہ پُر امن ملک قرار پایا۔ 140 ممالک کی فہرست میں اُسے 86 واں نمبر ملا۔ رپورٹ کی رو سے آئس لینڈ دنیا کا سب سے زیادہ پُر امن ملک ہے۔

لبنان کے نئے صدر کا انتخاب

لبنان کی پارلیمنٹ نے مائیکل سلیمان کو ملک کے نئے صدر کی حیثیت سے چن لیا ہے۔ 59 سالہ سلیمان لبنانی فوج کے سپہ سالار رہ چکے ہیں۔ ان کا انتخاب پچھلے ہفتے ہونے والے دوحہ مذاکرات کا نتیجہ ہے۔ گو یہ مذاکرات امریکہ کو صدمہ پہنچا گئے مگر صدر بش نے صدارتی عہدہ سنبھالنے پر مائیکل سلیمان کو مبارک باد دی ہے۔

128 نشستوں والی پارلیمان میں صدر سلیمان کو 118 ووٹ ملے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ وہ لبنان میں تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کو ساتھ لے کر چلیں گے تاکہ ملک میں امن و امان بحال ہو سکے۔

طالبان کے خلاف آپریشن

افغانستان میں نیٹو افواج کے کمانڈر جنرل ڈان میک نیمن نے اس امر پر تشویش کا اظہار کیا ہے کہ پاکستانی حکومت اور صوبہ سرحد کے طالبان نے امن معاہدہ کر لیا ہے۔ گو تشویش کا یہ اظہار برملا نہیں مگر جنرل موصوف کی باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس امن معاہدے سے خوش نہیں۔ شاید وہ چاہتے ہیں کہ صوبہ سرحد میں امن قائم نہ ہو اور پاکستانی فوج اپنے ہی شہریوں سے برسرپیکار رہے۔

دوسری طرف جنرل میک نیمن نے تسلیم کیا کہ نیٹو کے 50 ہزار فوجی افغانستان میں طالبان تحریک پر مکمل قابو نہیں پا سکے۔ ان کا کہنا ہے کہ افغانستان عراق کے مقابلے میں بڑا مقابلہ ہے لیکن یہاں آخر الذکر کی نسبت کم غیر ملکی فوج ہے۔ افغانستان میں طاغوتی طاقتوں کی شکست نوشتہ دیوار ہے، ان شاء اللہ۔ وہ جتنا جلد اپنا بوریا بستر گول کر لیں، اُن کے لیے بہتر ہے۔

عراق سے 4 ہزار فوجیوں کی واپسی

امریکی حکومت نے عراق سے مزید 4 ہزار فوجی واپس بلا لیے ہیں کیونکہ وہاں تشدد کے واقعات میں خاصی کمی آ گئی ہے۔ بظاہر امریکی حکومت کا کہنا ہے کہ ماہ مئی میں تشدد کے واقعات پچھلے چار برس کے دوران سب سے کم رونما ہوئے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ حریت پسندوں اور مجاہدین کی جانفروشی کے سامنے امریکہ کا ٹھہرنا اب ناممکن دکھائی دے رہا ہے۔ اس لیے ویت نام سے فرار کی طرح وہ دم دبا کر بھاگ جانے کی تیاری کر رہا ہے۔

مالدیپ میں نئے جزائر کا قیام

مالدیپی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ وہ مزید 11 جزائر غیر ملکی سرمایہ کاروں کے حوالے کر رہی ہے تاکہ وہ وہاں سیاحوں کے لیے ریزورٹ بنا سکیں۔ یاد رہے کہ سیاحت کے ذریعے مالدیپی حکومت کو کل آمدن میں سے تقریباً 40 فیصد آمدنی ہوتی ہے۔ مالدیپ میں ہر سال مغربی ممالک کے ہزاروں سیاح آتے ہیں۔ انھی کے باعث جنوبی ایشیا میں مالدیپ کی فی کس آمدن (3400 ڈالر) سب سے زیادہ ہے۔

برطانیہ میں اسلام کی مقبولیت

یہ اسلام کی حقانیت کا ثبوت ہے کہ برطانیہ کی وزیر داخلہ جیکوئی اسمتھ نے تسلیم کیا ہے کہ ملک میں ہر سال 50 ہزار افراد مسلمان ہو رہے ہیں۔ ان کے مطابق واقعہ نائن الیون کے بعد برطانیہ میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ساڑھے چار لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ یاد رہے کہ برطانیہ میں تقریباً 20 لاکھ مسلمان مقیم ہیں اور ملک میں عیسائیت کے بعد اسلام دوسرا سب سے بڑا مذہب بن گیا ہے۔

یہود اولمرٹ خطرے میں

اسرائیل کے وزیر اعظم یہود اولمرٹ پر رشوت لینے اور فراڈ کے الزام میں مقدمہ چل رہا ہے۔ یہ پچھلے دنوں عالمی شہرت اختیار کر گیا جب نیویارک ایک کاروباری موریس ٹالنسکی نے عدالت میں یہ اقرار کیا کہ وہ پچھلے پندرہ برس کے دوران اسرائیلی وزیر اعظم کو لاکھوں ڈالر دے چکا ہے۔ یہود اولمرٹ کا کہنا ہے کہ یہ رقم سیاسی مہمات پر خرچ ہوئی ہے نہ کہ رشوت؟

اولمرٹ کے مخالفین ان پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ ایک فراڈیے اور رشوت لینے والے رہنما ہیں۔ موصوف نے اعلان کر رکھا ہے کہ اگر عدالت سے انھیں سزا ملی، تو وہ وزیر اعظم کے عہدے سے مستعفی ہو جائیں گے۔

عالم اسلام اور مغربی دنیا

عالمی بینک کا ایک ادارہ کمیشن برائے ترقی اور نشوونما عالمی ممالک میں معاشی ترقی کے سلسلے میں ہر سال رپورٹیں مرتب کرتا ہے۔ اس کی تازہ رپورٹ کے مطابق پاکستان کی اگر موجودہ شرح ترقی رہی، تو وہ 159 سال بعد ترقی یافتہ ملک بن پائے گا۔ پاکستان کی موجودہ شرح ترقی 4.9 فیصد سالانہ ہے۔ تاہم اگر اس کی سالانہ شرح ترقی 8.3 فیصد ہو جائے، تو پاکستان 2050ء تک ترقی یافتہ ملک بن سکتا ہے۔

عالم اسلام میں سرفہرست ملائیشیا ہے۔ وہ اگلے 35 برس میں ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایران کا نمبر ہے جسے 54 سال لگیں گے۔ پھر مصر ہے جو 118 برس بعد ترقی یافتہ ملک بن سکتا ہے۔ ہمارے پڑوسی بھارت کو یہ مقام حاصل کرنے کے لیے 50 سال درکار ہیں جبکہ امکان ہے کہ اگلے 23 برس میں چین ترقی یافتہ ملک بن جائے گا۔

یہ ہے مذہبی آزادی؟

سڈنی میں ہزاروں مسلمان مقیم ہیں جن میں پاکستانی بھی شامل ہیں۔ یہ مسلمان سڈنی کے مضافاتی علاقے کیمڈن میں ایسا اسلامی اسکول قائم کرنا چاہتے تھے جس میں 1200 طلبہ و طالبات پڑھ سکیں۔ مگر کیمڈن کی کونسل نے اسکول تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ وجہ یہ ہے کہ کیمڈن کے کچھ رہائشی اپنے علاقے میں یہ اسکول نہیں دیکھنا چاہتے۔

ججز کی فوری بحالی ضروری ہے: امریکی سینیٹر

'ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا'

بی بی سی اردو ڈاٹ کام سے ماخوذ

شہزاد ملک

پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے امریکی سینیٹر رسل فائن گولڈ نے کہا ہے کہ پی سی او کے تحت حلف نہ اٹھانے والے ججوں کی بحالی کا معاملہ مجوزہ آئینی پیکج سے مشروط نہیں کرنا چاہیے اور معزول چیف جسٹس افتخار محمد چودھری سمیت اعلیٰ عدالتوں کے تمام ججوں کو فوری بحال کرنا چاہیے۔

بدھ کو اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پی سی او کے تحت حلف نہ اٹھانے والے جج جتنی جلدی بحال ہوں گے، اُتنا ہی جلد پاکستان کا تشخص دنیا میں بہتر ہوگا۔

انہوں نے کہا کہ وہ اپنی حکومت سے کہیں گے کہ وہ ججوں کی بحالی کے سلسلے میں پاکستانی حکومت پر دباؤ ڈالے۔ امریکی سینیٹر نے کہا کہ امریکہ ایسے معاہدوں کا مخالف ہے جس میں طالبان اور القاعدہ فریق ہیں تاہم امریکہ ایسے تمام معاہدوں کی حمایت کرے گا جو قبائلی عمائدین کے ساتھ ہوں گے۔

رس فائن گولڈ نے کہا کہ القاعدہ کے ارکان امریکہ میں ہونے والے نائن الیون واقعہ میں ملوث ہیں اور وہ اب بھی امریکہ کو نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ پاکستان خود دہشت گردی کا شکار ہے۔

امریکی سینیٹر نے سرحد پار "دہشت گردی" کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ پاک افغان سرحد کی مکمل نگرانی ایک مشکل کام ہے تاہم اس حوالے سے کوشش کی جانی چاہئیں۔

امریکی سینیٹر نے کہا کہ پاکستان میں جمہوریت کا مستحکم ہونا خطے کے مفاد میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کو پاکستانی عوام اور جمہوریت کی حمایت کرنی چاہیے۔ تاہم امریکی سینیٹر کا کہنا تھا کہ امریکہ کی پاکستان میں فردِ واحد کی حمایت کرنے کی پالیسی غلط تھی اور امریکہ کو اس حوالے سے اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

ایک سوال کے جواب میں امریکی سینیٹر نے کہا کہ صدر جنرل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف کے مستقبل کا فیصلہ پارلیمنٹ اور عوام کو کرنا چاہیے اور امریکہ اس میں مداخلت نہیں کرے گا۔

انہوں نے کہا کہ امریکہ اور پاکستان کے تعلقات میں بہتری عارضی نہیں بلکہ مستقل بنیادوں پر ہونی چاہیے اور ان کے دورے کا مقصد دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات میں بہتری لانا ہے۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کا

رجوع الی القرآن کورس (پارٹ II)

اعلان برائے داخلہ

کورس کا نصاب

۱) مکمل ترجمۃ القرآن	۲) حدیث
۳) فقہ	۴) اصولِ تفسیر
۵) اصولِ حدیث	۶) اصولِ فقہ
۷) عقیدہ	۸) عربی زبان وادب
۹) عالم اسلام اور احیائی تحریکیں: ایک تاریخی اور تجزیاتی مطالعہ	۱۰) اضافی محاضرات

تدریس کا آغاز و دورانیہ:

اس کورس میں داخلے امسال 13 جون 2008ء تک جاری رہیں گے۔ 14 جون کو صبح 10 بجے داخلہ ٹیسٹ ہوگا۔ تدریس کا باقاعدہ آغاز ان شاء اللہ 16 جون 2008ء سے ہوگا اور اگلے سال مئی کے اواخر تک جاری رہے گا۔ کورس کا کل دورانیہ ایک سال ہے۔ طلبہ کی سہولت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کورس کو دو مساوی حصوں (سمسٹرز) میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر سمسٹر چھ ماہ کے دورانیے پر مشتمل ہے۔ ہفتے میں 5 دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

اہلیت: کورس میں داخلے کے لیے درج ذیل تعلیمی اہلیت (کم از کم) لازمی ہے:

۱) بی اے/بی ایس سی یا مساوی ڈگری ۲) رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I)

رابطہ و پراسپکٹس: شعبہ تدریس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 5869501-03، فیکس: 5834000
ای میل: irts@tanzeem.org